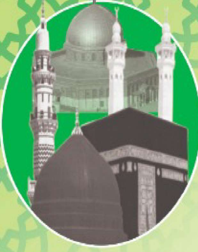
یا اللہ مدد | حیات النبی ﷺ زندہ باد | شانِ رسالت ﷺ زندہ باد | اصلی کلمہ اسلام: لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ | شانِ صحابہؓ زندہ باد | مقامِ امام اعظم ابوحنیفہؒ زندہ باد | حق چار یارؓ





مجلہ صفدر

اکابرین اہل سنت (دیوبند) بالخصوص
شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ
کے افکار و نظریات کا بے باک ترجمان

جنوری تا مارچ 2024 — جمادی الاخری تا رمضان ۱۴۴۵ھ

155 تا 157

مولانا زاہد الراشدی تقریباً

گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے ایسے ایسے بیانات

جاری کر رہے ہیں جو صحیح العقیدہ اہل علم وفکر اور بالخصوص امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ کے متعلقین ومتوسلین کے لیے نہایت اذیت وتکلیف کا باعث رہے ہیں۔ متعدد اصحابِ علم وفہم نے ان مضامین پر تشویش کا اظہار کیا، اور ہم بھی ان مضامین سے اختلاف کرتے رہے۔ ان کا ایک حالیہ بیان ۲۹ رجون ۲۰۲۴ء کے روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد کی اشاعت میں ''ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلم شہری'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ میرے خیال میں یہ قادیانیت کی سہولت کاری کا پُر فریب اور خطرناک راستہ ہے جو کوئی منجھا ہوا قلم کار ہی اختیار کر سکتا ہے۔ علامہ راشدی اپنے اِس کالم میں جو تصور اور فکر دے رہے ہیں، وہ اہل حق کی ایک صدی سے زائد کی جدوجہد اور محنت کو ملیامیٹ کرنے کی ایک شعوری یا غیر شعوری کوشش ہے۔

(ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلم: ۳۰)

بیاد
محدث عرب وعجم آبروئے دیوبند امام اہل السنۃ والجماعۃ
شیخ الحدیث حضرۃ مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید حسین احمد مدنی
خلیفہ مجاز: امام الموحدین رئیس المفسرین مولانا حضرۃ حسین علی

بفیضان
مظہر شریعت وطریقت قائد اہل سنت وکیل صحابہؓ
حضرۃ مولانا قاضی مظہر حسین نور اللہ مرقدہ
تلمیذ رشید وخلیفہ مجاز سید حسین احمد مدنی نور اللہ مرقدہ

مظہریہ دار المطالعہ سرگودھا
0312 4612774 0334-4612774
khadim.khan4@yahoo.com

مبارک احمد ثانی (قادیانی) کا مقدمہ......ایک نظر میں!

-۲۰۱۸ء: لاہور ہائی کورٹ میں قادیانی تفسیر ''تفسیر صغیر'' کے خلاف کارروائی کی درخواست دائر کی گئی۔
-۵/مارچ ۲۰۱۹ء: ہائی کورٹ نے قادیانیوں کے اِس اِقدام کے خلاف کارروائی کا حکم جاری کیا۔
-۶/مارچ ۲۰۱۹ء: قادیانیوں نے بغاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ''تفسیر صغیر'' کی تقسیم کا اعلان کیا۔
-۶/مارچ ۲۰۱۹ء: چناب نگر تھانہ میں قادیانیوں کے اعلان کے خلاف درخواست دائر کی گئی۔
-۷/مارچ ۲۰۱۹ء: قادیانیوں نے کالج گراؤنڈ چناب نگر میں ''تفسیر صغیر'' تقسیم کی۔
-قادیانی اقدام کے ثبوت حاصل کر کے دوبارہ تھانہ میں درخواست دی گئی۔ مگر کوئی کارروائی نہ ہوئی۔
-عوامی احتجاج کے بعد پولیس نے جے آئی ٹی کمیٹی بنائی۔ جس کے مختلف اجلاس ہوتے رہے۔
-۲۰۲۲ء: ساڑھے تین سال بعد یہ معاملہ ''پنجاب قرآن بورڈ'' کو بھیج دیا گیا۔
-دسمبر ۲۰۲۲ء: پنجاب قرآن بورڈ نے چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ کو ایف آئی آر درج کرنے کا حکم دیا۔
-ایف آئی آر درج ہونے کے ایک ماہ بعد ملزم مبارک احمد قادیانی کو گرفتار کیا گیا۔
-ملزم کی درخواستِ ضمانت کو یکے بعد دیگرے سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے مسترد کر دیا۔
-۶/فروری ۲۰۲۴ء سپریم کورٹ کے دو رکنی بنچ نے بعض دفعات خارج کر کے ضمانت منظور کر لی۔
-بھرپور عوامی احتجاج پر سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ نے پریس ریلیز کے ذریعہ صفائی پیش کی۔
-سپریم کورٹ کے فیصلے کی طرح، سپریم کورٹ کی پیش کردہ صفائی کو بھی تمام حلقوں نے یکسر مسترد کر دیا۔
-ضمانت کے فیصلہ پر نظر ثانی کی اپیل: سپریم کورٹ نے دس (۱۰) مذہبی اِداروں سے رائے طلب کی۔
-جن میں قادیانیوں کو مسلمان قرار دینے والے جاوید احمد غامدی کا ادارہ ''المورد'' بھی شامل تھا۔
-۲۹/مئی ۲۰۲۴ء: غامدی ادارہ ''المورد'' کے علاوہ تمام اداروں نے سپریم کورٹ کے فیصلہ کو غلط قرار دیا۔
-قادیانی سہولت کار عمار ناصر غامدی سپریم کورٹ پہنچے، لیکن علماء کے احتجاج پر اُنہیں بولنے نہ دیا گیا۔
-۲۴/جولائی ۲۰۲۴ء: سپریم کورٹ نے اپنا: خلافِ شریعت و آئین فیصلہ برقرار رکھنے کا فیصلہ کیا۔
-اِس فیصلے کو بھی: قادیانی سہولت کاروں کے علاوہ: وکلاء بار کونسلز سمیت تمام حلقوں نے مسترد کر دیا۔
-ملک بھر میں احتجاج ہوا۔ ۱۳/اگست: اسلام آباد: آل پارٹیز تحفظ ناموس رسالت کانفرنس منعقد ہوئی۔
-۱۹/اگست: عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے زیر اہتمام سپریم کورٹ کے سامنے احتجاجی مظاہرہ ہوا۔
-۲۲/اگست ۲۰۲۴ء: سپریم کورٹ نے ۶/فروری و ۲۴/جولائی کے فیصلے کی تصحیح اور معترضہ پیرا گراف حذف کرنے کا مختصر فیصلہ جاری کیا۔ تفصیلی فیصلہ جاری ہونا اَبھی باقی ہے۔ [۱۳/ستمبر ۲۰۲۴ء]
-۱۰/اکتوبر ۲۰۲۴ء: تفصیلی فیصلہ جاری کیا گیا، جس پر علمائے کرام نے اطمینان اور خوشی کا اظہار کیا۔
-فیصلے میں کہا گیا کہ: قادیانیوں پر آئینی حیثیت تسلیم کرنا لازم ہے، تبھی حقوق کا تعین ہو سکے گا۔
-یوں قادیانیت اور اس کی سہولت کاری بالآخر ناکام و نامراد اور خائب و خاسر ہوئی۔ الحمدللہ حمداً کثیرا

فہرست

قارئین توجہ فرمائیں!

مجلّہ ''صفدر شمارہ: 139 تا 142 (ستمبر تا دسمبر ۲۰۲۲ء) خاص شمارہ ہے۔ جو تا حال زیر ترتیب ہے۔
زیر نظر شمارہ: 155 تا 157 (جنوری تا مارچ ۲۰۲۴ء) ہے۔ جو ستمبر ۲۰۲۴ء میں شائع ہو رہا ہے۔

پیامِ صفدر (اداریہ) مدیر کے قلم سے

قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ

والدِ محترم مولانا عبدالحق خان بشیر نقشبندی حفظہ اللہ کو اللہ رب العزت نے عالی مرتبت نسبی وصہری نسبتوں کے ساتھ ساتھ بے پناہ صلاحیتوں اور بے حد خوبیوں سے بھی نوازا ہے۔ غیر معمولی ذہانت، مطالعہ میں گہرائی و وسعت، حاضر جوابی، قوتِ استدلال، جان توڑ محنت، متأثر کن اندازِ خطابت، دِل کش تحریر کا ملکہ اور عمدہ اندازِ تفہیم ایسی کئی صفات کے مالک ہیں۔ ملکی و بین الاقوامی حالات پر گہری نظر اور موقع بموقع اُن پر اپنے مخصوص انداز میں تبصرہ بھی آپ کی خاص صفت ہے۔ جمعہ کے بیانات میں جہاں علمی و فکری عنوانات آپ کے پیشِ نظر ہوتے ہیں، وہیں سیاسی و سماجی موضوعات بھی زیرِ بحث رہتے ہیں۔

سپریم کورٹ کا ایک فیصلہ اور والدِ محترم کے پانچ بیانات!

قرآن پاک کی معنوی تحریف پر مشتمل ایک قادیانی تفسیر کی تقسیم واشاعت کے مجرم مبارک احمد ثانی قادیانی نے اپنی ضمانت کے لیے سپریم کورٹ آف پاکستان میں درخواست دی، جس پر ۶ رفروری ۲۰۲۴ء کو سپریم کورٹ نے فیصلہ سنایا، یہ فیصلہ کئی پہلوؤں سے دین اسلام اور آئین پاکستان سے متصادم ہے۔ والدِ محترم نے مسلسل پانچ ہفتے جمعہ کے بیانات میں اِس غیر منصفانہ فیصلہ کا تفصیل سے جائزہ لیا۔ اور بعد اَزاں اِن بیانات کو تحریر میں منتقل کرنے کا مشکل اور کٹھن کام بھی خود ہی انجام دیدیا۔ **فجزاہ اللہ خیرا**

''شبانِ ختمِ نبوت'' کے مرکزی راہ نما مولانا شفیع الرحمٰن صاحب زید قدرہ کی نگرانی میں اس کی کمپوزنگ و تصحیح کا مرحلہ طے ہوا۔ سردست اِس کی ''برقی اِشاعت'' پیشِ خدمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو جلد یہ مجموعہ زیورِ طباعت سے آراستہ ہو کر مطبوعہ شکل میں بھی دستیاب ہوگا۔ **واللہ المؤفق** (شائع ہو چکا ہے۔)

پانچ خطبات کے تفصیلی مباحث کا اِجمالی خاکہ!

اِن خطبات میں والدِ محترم حفظہ اللہ نے جن حقائق پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، ذیل میں اُن کا اِجمالی خاکہ پیش کیا جا رہا ہے:

– ۲۰۱۸ء: لاہور ہائی کورٹ میں درخواست دائر کی گئی کہ: قادیانی' قرآنِ پاک کی معنوی تحریف پر مشتمل ''تفسیر صغیر'' شائع کر رہے ہیں، جو قانوناً جرم ہے۔ لہٰذا اِس کے خلاف کارروائی کی جائے۔

– ۵ر مارچ ۲۰۱۹ء: ہائی کورٹ نے ریاستی اداروں کو قادیانیوں کے اِس اِقدام کے خلاف قانونی کارروائی کا حکم جاری کیا۔

-۶؍مارچ ۲۰۱۹ء: ہائی کورٹ کے اِس حکم نامہ کے اگلے روز ہی قادیانیوں نے کھلی بغاوت کا مظاہرہ کرتے ہوئے اعلان کر دیا کہ: ۷؍مارچ ۲۰۱۹ء کو چناب نگر میں ''تفسیر صغیر'' تقسیم کی جائے گی۔

-۶؍مارچ ۲۰۱۹ء: جس روز قادیانیوں نے اعلان کیا، اُسی دِن چناب نگر تھانہ میں اِس کے خلاف درخواست دائر کی گئی، لیکن پولیس کی طرف سے کوئی کارروائی نہیں ہوئی۔

-۷؍مارچ ۲۰۱۹ء: اعلان کے مطابق قادیانیوں نے کالج گراؤنڈ چناب نگر میں ''تفسیر صغیر'' تقسیم کی۔ جس کے ثبوت حاصل کر کے دوبارہ تھانہ میں درخواست دی گئی، لیکن پولیس نے ٹال مٹول سے کام لیا۔

-عوامی احتجاج کے بعد پولیس نے ایک جے آئی ٹی کمیٹی بنا دی، جس نے فریقین کے ہمراہ مختلف اجلاسوں میں اس معاملہ کا ہر پہلو سے جائزہ لیا، لیکن قادیانیوں کا جرم واضح ہونے کے باوجود اُن کے خلاف کارروائی کے بجائے ساڑھے تین سال بعد ۲۰۲۲ء میں یہ معاملہ ''پنجاب قرآن بورڈ'' کو بھیج دیا گیا۔

-دسمبر ۲۰۲۲ء: پنجاب قرآن بورڈ نے اس معاملے سے متعلق تمام دستاویزات کا تفصیلی جائزہ لینے کے بعد چنیوٹ کی ضلعی انتظامیہ کو ایف آئی آر درج کرنے کا کہا۔

-پنجاب قرآن بورڈ کے کہنے پر ایف آئی آر درج کی گئی، جس کے ایک ماہ بعد ملزم (اسم بے مسمی) مبارک احمد ثانی قادیانی کو گرفتار کیا گیا۔

- جرائم کی نوعیت سنگین ہونے کی وجہ سے قانوناً ملزم ''ضمانت'' کا حق دار نہیں تھا۔ چنانچہ ملزم کی درخواست ضمانت کو یکے بعد دیگرے سیشن کورٹ اور ہائی کورٹ نے مسترد کر دیا۔

-مگر یہی درخواستِ ضمانت جب سپریم کورٹ میں پہنچی تو دو رکنی بنچ نے اس کیس سے ناقابل ضمانت دفعات خارج کر کے ملزم کی ضمانت منظور کر لی۔

قادیانی ملزم کے پانچ جرائم!

-ملزم قانون کی رُو سے پانچ الگ الگ جرائم کا مرتکب ہے:

۱- قادیانی ہونے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا۔

۲- مرزا قادیانی کے بیٹے کے نام کے ساتھ ''رضی اللہ عنہ'' لکھنا۔

۳- مسلمانوں کے اجماعی عقیدے کے خلاف ترجمہ قرآن شائع کرنا۔

۴- قرآن پاک کی غلط تفسیر شائع کر کے مسلمانوں کے جذبات مجروح کرنا۔

۵- قرآن پاک کو غیر قانونی مقاصد کے لیے استعمال کرنا۔

قانون کی رو سے اِن پانچوں جرائم کی مجموعی سزا کم از کم ۲۶؍سال قید بنتی ہے۔

-سپریم کورٹ نے ان جرائم کی دفعات کو خارج کرنے کا حکم دیدیا۔

سپریم کورٹ کے فیصلہ میں چند محلِ نظر اُمور!

-سپریم کورٹ کے اس فیصلہ میں چند چیزیں محلِ نظر ہیں:

۱-مطالبے کے باوجود سرکاری وکیل کو مطالعہ کرنے کی مہلت نہ دینا۔

۲-مطالبے کے باوجود مدعی کے وکیل کو بولنے کی اجازت نہ دینا۔

۳-قرآنی آیت ''لا اکراہ فی الدین'' سے غلط استدلال۔

۴-قرآن پاک کی فکروتدبر والی دو آیات سے خودساختہ استدلال۔

۵-حفاظتِ قرآن سے متعلق آیت سے من گھڑت استدلال۔

۶-آرٹیکل ۲۰/اور آرٹیکل ۲۲/کا بے جا طور پر تذکرہ۔

۷-قرآن ایکٹ ۲۰۱۱ء کو ۲۰۲۱ء کا قانون کہہ کر صریح جھوٹ بولنا۔

۸-ملزم کے ''مذہبی'' جرم پر ''اخلاقی'' جرم کی دفعہ آرٹیکل ۱۲/لگانا۔

۹-سپریم کورٹ کے لارجر بنچ کے فیصلے کو غیرمؤثر کرنے کی کوشش کرنا۔

۱۰-مذہبی مقدمات سے متعلق بے جا شکوے کو فیصلہ کا حصہ بنانا۔وغیرہ

-سپریم کورٹ کے اِس متنازعہ فیصلے پر مختلف حلقوں کی جانب سے ردِعمل ظاہر ہوا تو سپریم کورٹ کے افسر تعلقات عامہ نے پریس ریلیز کے ذریعہ صفائی پیش کی، جسے تمام حلقوں نے مسترد کردیا۔

-بعداَزاں سپریم کورٹ کی طرف سے جاوید احمد غامدی سے بھی رائے طلب کی گئی، حالانکہ جاوید غامدی نہ تو قادیانیوں کی شرعی تکفیر کے قائل ہیں اور نہ قانونی! یعنی نہ دین اسلام مانتے ہیں نہ آئین پاکستان!

حضرت والدِمحترم کے خطبات!

والدمحترم دام ظلہ کے چندایک خطبات اس سے قبل بھی الگ الگ شائع ہو چکے ہیں۔نیز اُن کے تمام خطبات کا مجموعہ ''خطبات بشیر فی سیرتِ سراج منیر'' زیرترتیب ہے۔زیرنظر پانچ خطبات بھی اُنہی قیمتی خطبات کا ایک حصہ ہیں۔

اللہ رب العزت حضرت والدِمحترم اور تمام اکابر اہل حق کے علوم وفیوض سے ہمیں کما حقہ استفادہ کی توفیق دیں اور اُن کا سایہ تادیر صحت وایمان کی سلامتی کے ساتھ ہمارے سروں پر قائم رکھیں۔آمین

خادم اہل سنت حمزہ احسانی غفرلہ......۵/ذوالقعدۃ الحرام ۱۴۴۵ھ......۱۴/مئی ۲۰۲۴ء......منگل

☆......☆......☆......☆

خطباتِ بشیر فی سیرتِ سراجِ منیر

نحمده ونصلي علىٰ رسوله الكريم،اما بعد!

معزز و مکرم قارئین کرام!

ناچیز و خاکسار کے بیاناتِ جمعہ کے مجموعہ ''خطباتِ بشیر فی سیرتِ سراجِ منیر'' کے ''مجموعہ اولیٰ'' کی دوسری جلد آپ کے سامنے ہے، جس میں ۵؍خطبات شامل ہیں، جو سپریم کورٹ آف پاکستان کے ایک حالیہ فیصلے سے متعلق ہیں۔ یہ خطبات نہیں صرف ایک مطالعہ ہے، اس مطالعہ کی روشنی میں کچھ حقائق ہیں، اور ان حقائق پر میرے جذبات کا اظہار ہے۔ کسی شخصیت یا کسی منصب کو ہٹ کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ پھر بھی اگر میرا یہ طرز و انداز کسی کی طبع نازک پر گراں گزرے یا کسی منصب و ادارہ کی توہین سمجھا جائے تو

آئی، ایم، سوری

میں معذرت چاہتا ہوں۔ مگر میں چاہوں گا کہ میرے جذبات و احساسات سے نہ سہی اپنے جذبات و احساسات کی روشنی میں ہی ان حقائق کا مطالعہ ضرور کیجیے گا۔ ہوسکتا ہے اندر سے آپ کے جذبات کا اِرتعاش اِس سے بھی زیادہ تلاطم خیز ہو، اور ویسے بھی مقصد تو حقیقت کی منزل تک پہنچنا ہے، جذبات میں کیا رکھا ہے۔

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو اَب سوچتے ہیں تجھ کو اَعصاب پہ اتنا بھی نہ طاری کرتے

عبدالحق خان بشیر......امیر: جمعیۃ اہل السنۃ والجماعۃ، ضلع گجرات
مدیر و خطیب: مدرسہ حیات النبی، جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ، محلّہ حیات النبی، گجرات

۱۲؍ذیقعدہ ۱۴۴۵ھ......۲۱؍مئی ۲۰۲۴ء

☆......☆......☆......☆

تقریظ......ترجمان ختم نبوت، وکیل ناموس رسالت جناب محمد متین خالد زید مجدہ

مولانا سے قانون دان تک!

ممتاز عالم دین و مصنفِ کتبِ کثیرہ حضرت مولانا حافظ عبدالحق بشیر نقشبندی مدظلہٗ کی ہمہ جہت شخصیت کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ وسیع مطالعہ، علم و فضل اور فہم و بصیرت کے میدان میں وہ یگانہ روزگار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ جرأت مندی، حق گوئی اور بے باکی میں انہیں ہر حلقہ فکر میں عزت و وقار کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ حضرت کا کمال یہ ہے کہ وہ بڑے سے بڑے مخالف کے اعتراض کا جواب

بھی دلیل اور سلیقے سے کہنے کا ہنر جانتے ہیں۔ اُن کی اَب تک ایک درجن سے زائد کتب منظر عام پر آچکی ہیں۔ ان کتب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ معاشرہ کی ہر دکھتی ہوئی رَگ کا علم رکھتے ہیں اور جس طبیب کی تشخیص درست ہو، اس کے اچھا معالج ہونے میں کون شک کرسکتا ہے۔

''قادیانیوں کے حق میں سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ'' حضرت مولانا عبدالحق بشیر صاحب کی تازہ علمی کاوش ہے۔ اس متنازعہ فیصلہ کا پس منظر یہ ہے کہ ۶ رفروری ۲۰۲۴ء کو سپریم کورٹ آف پاکستان کے دو رکنی بنچ (چیف جسٹس جناب جسٹس قاضی فائز عیسیٰ صاحب اور محترمہ جسٹس مسرت ہلالی صاحبہ) نے مقدمہ بعنوان: ''مبارک احمد ثانی بنام ریاست'' میں ملزم کی درخواست ضمانت منظور کرتے ہوئے اسے رہا کرنے کا حکم دیا۔ اس مقدمہ کی مختصر تفصیل یہ ہے کہ قادیانی مربی اپنی جماعت کے اہم عہدیداران کی سرپرستی میں ایک عرصہ سے جھوٹے مدعی نبوت آں جہانی مرزا قادیانی کے بیٹے اور قادیانی جماعت کے دوسرے خلیفہ مرزا بشیر الدین محمود کے تحریف شدہ ترجمے اور تفسیر پر مبنی قرآن مجید ''تفسیر صغیر'' کے نسخے سادہ لوح مسلمانوں میں تقسیم کر رہے تھے، جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کی صریحاً خلاف ورزی پر مشتمل مواد بکثرت موجود تھا، بالخصوص اس میں عقیدہ ختم نبوت کے مقابل اجرائے نبوت کو ثابت کرنے کی ناپاک کوشش کی گئی تھی۔ اس پر حضرت مولانا بے حد دل گرفتہ ہوئے۔ چنانچہ انہوں نے جمعہ کے اپنے خطبات میں اس فیصلے کا تفصیلی تجزیہ ومحاکمہ کرتے ہوئے نہ صرف اس کے ایک ایک پوائنٹ کا علمی وقانونی رَد کیا بلکہ فیصلہ میں کئی فاش غلطیوں کا بھی انکشاف کیا۔ حیران ہوں کہ ''گجرات کا مولوی'' سپریم کورٹ آف پاکستان کے چیف جسٹس کو قانون سکھا رہا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے اس مصرع کے معنی اَب سمجھ میں آئے۔ ع ''ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی''!

میں نے اِن خطبات کو بنظر غائر پڑھا ہے، مولانا نے اِن میں جو قانونی استدلال اختیار کیا اور عدالتی نظائر پیش کیے ہیں، وہ کسی بھی اعلیٰ ماہر قانون دان کے پیش کردہ دلائل وبراہین سے کم نہیں۔ آج مجاہد تحفظ ناموس رسالت جناب محمد اسماعیل قریشی ایڈووکیٹؒ زندہ ہوتے تو حضرت کی اِس کاوش پر خوشی سے پھولے نہ سماتے۔

عجیب اتفاق ہے کہ آج (۲۹ رمئی ۲۰۲۴ء) اِس کتاب پر چند سطور قلمبند کر رہا ہوں اور آج ہی سپریم کورٹ میں کیس کی سماعت ہوئی۔ وکلا وعلما نے عدالت میں خوب دلائل دیئے اور عدالت کی

تلخ جرح کے مسکت جوابات بھی۔ فیصلہ محفوظ ہوا۔ میرا وجدان کہتا ہے کہ اگر حضرت مولانا عبدالحق بشیر صاحب بنفس نفیس عدالت کے روبرو پیش ہوتے تو علمی و قانونی نکات کے حوالے سے صورتحال ''ہو دیکھنا تو دیدہ دل وا کرے کوئی'' والی ہوتی۔

دوسری طرف حیران کن بات ہے کہ تحفظ ختم نبوت کے مقدس نام پر چندوں کا دھندہ کرنے والی بڑی دینی جماعتیں اور ان کے ذمہ داران اِس اہم کیس میں کہیں نظر نہیں آئے۔ تعجب ہے کہ اُنھوں نے اِس متنازع فیصلے کے خلاف فریق بننا پسند کیا اور نہ ہی عدالت میں اپنا تحریری موقف جمع کروایا اور اِس پر مستزاد یہ کہ اُنہوں نے اپنے تنظیمی رسائل و جرائد میں بھی اِس کیس کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ''یہ ناداں گر گئے سجدے میں جب وقت قیام آیا''۔ بے اعتنائی کے ایسے حبس زدہ موسم میں حضرت کی یہ گرانقدر تصنیف ٹھنڈی ہوا کا جانفزا جھونکا ہے۔

یہ کتاب حضرت مولانا کے پانچ جامع اور پرتاثیر خطبات پر مشتمل ہے۔ جسے مجاہد ختم نبوت برادر عزیز جناب مولانا شفیع الرحمٰن صاحب نے اپنی نگرانی میں کتابت کا بانکپن عطا کیا ہے۔ تحفظ ختم نبوت کے تمام ذمہ داران کو اِس کتاب کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے۔ زیر نظر کتاب کی صورت میں حضرت مولانا نے وقت کی ضرورت کو پورا کرتے ہوئے جو اہم دینی فریضہ ادا کیا ہے، اس پر وہ تمام ملت اسلامیہ کی طرف سے ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ دعا ہے کہ:

''تیرے دیوے دی رشنائی جاوے وچ زمیناں''

نیاز آگیں: محمد متین خالد، لاہور......۲۰/ ذیقعدہ ۱۴۴۵ھ......۲۹/ مئی ۲۰۲۴ء

☆......☆......☆......☆

فہرست کتاب: ''سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ''

(۲) **دوسرا بیان**..

کیا ریموٹ کنٹرول مجرم کو سزا دی جا سکتی ہے؟ ....
نائم بھی مرفوع القلم ہے! ....
کیا ہپناٹائز یا جادو کا شکار مجرم قابل مواخذہ ہے؟ ....
انسان بھی اگر روبوٹ یا ڈرون ہے تو ہرگز قابل مواخذہ نہیں! ....
جناب چیف جسٹس کا ''آیاتِ فکر و تدبر'' سے غلط استدلال! ....
دوسری آیت کریمہ کا مقصد فرعونیت کا راستہ روکنا ہے! ....
چار دن کی زندگی اور پھر اندھیری رات! ....
قرآن پہلے ''ایمان و عمل'' کی کتاب ہے پھر ''فکر و تدبر'' کی! ....
قرآن کی بنیادی دعوت انسان کی فکری و عملی اصلاح ہے! ....
قرآن میں فکر و تدبر کی بنیاد سنتِ رسول ﷺ ہے! ....
جناب چیف جسٹس کا آیت ''حفاظتِ قرآن'' سے غلط استدلال! ....
ظاہری اسباب سے صرف نظر کرنا بھی قرآن کی خلاف ورزی ہے! ....
توہینِ عدالت کی سزا قاضی دے گا، ناموسِ رسالت کا تحفظ اللہ کے حوالہ!.

(۳) تیسرا بیان ....

گزشتہ بیانات کا خلاصہ! ....
مذہبی آزادی کے آرٹیکل ۲۰ اور آرٹیکل ۲۲ کا غیر ضروری حوالہ! ....
فتح فلسطین کے بعد فاروقِ اعظمؓ کا عیسائیوں سے معاہدہ! ....
یہودیوں کو ہم سے الگ رکھا جائے، عیسائیوں کا مطالبہ! ....
معاہدہ کے ضامن اور گواہ! ....
پاکستان کے اندر مذہبی حقوق کا حق دار کون ہے؟ ....
مسیحی اقلیت! ....
ہندو دھرم! ....
سکھ مذہب! ....
قادیانی اقلیت دوسری اقلیتوں سے قطعی مختلف ہے! ....
قادیانیوں کے لیے دو قانون بنانے کی ضرورت کیوں پڑی؟ ....
مذہبی حقوق کی آڑ میں قادیانی مذہب کا دفاع غیر منصفانہ عمل ہے! ....
قادیانیوں کو ریاستی قومی دھارے میں لانے کی ضرورت ہے! ....

وفیات

شیخ الحدیث مولانا سید محمود میاں کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ- مولانا مفتی خرم یوسف [مسئول: وفاق المدارس العربیہ لاہور] کی بیٹی رحمہا اللہ- مولانا اسد ظفر کی والدہ مولانا ہارون ظفر [بہاول پور] کی ہمشیر محترمہ رحمہا اللہ- خواجہ خواجگان مولانا خواجہ خان محمد کے فرزند صاحبزادہ سعید احمد رحمہ اللہ- مولانا مکی ماندھل [بہاول پور] کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ- قائد اہل سنتؒ کے رفیق سفر (ڈرائیور) محترم جناب فاروق صاحب [ہرڑ چکوال] کی والدہ محترمہ- شیخ الحدیث مولانا مفتی عطاء الرحمٰن [بہاول پور] کی بھابھی صاحبہ رحمہا اللہ- مولانا پروفیسر محمد مدنی [بہاول پور] کے ماموں- مولانا لطف اللہ [بہاول پور] کی اہلیہ- محترم جناب حنیف گوندل صاحب [چوہان، چکوال] کے بھتیجے جاوید اقبال رحمہ اللہ- مولانا شاہد الحسینی [مہتمم: جامعہ مظاہر علوم سہارنپور انڈیا] رحمہ اللہ- جامعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ کے استاذ الحدیث مولانا ظفر فیاض کی خالہ محترمہ رحمہا اللہ- ابن انیس مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی [مدیر: جامعہ ملیہ فیصل آباد] رحمہ اللہ- مولانا مفتی زین العابدینؒ کے فرزند مولانا یوسف ثانی رحمہ اللہ [فیصل آباد]- مولانا فضل الرحمٰن [امیر: جمعیۃ علماء اسلام] کی خوش دامن صاحبہ رحمہا اللہ- جامع مسجد نور ڈسکہ کے امام مولانا محمد شاہد شہید رحمہ اللہ- جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی کے استاذ مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ- جامعہ اشرف المدارس کراچی کے شیخ الحدیث مولانا عبدالرشید رحمہ اللہ- عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے ناظم اعلیٰ مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری کے فرزند مولانا زاہد فاروقؒ- مولانا مفتی سمیع اللہ رحمہ اللہ [ھتھیجی، بہاول پور]- مولانا مفتی محمد حسن [لاہور] کے پوتے ابن طلحہ محمد رحمہ اللہ- مولانا عبداللطیف جہلمی کے فرزند قاری صہیب عثمانی کی پوتی رحمہا اللہ- حافظ سلطان محمود اعوان رحمہ اللہ [سرکار مائل، چکوال] (باقی صفحہ 116 پر)

مولانا علامہ عبداللہ رحمہ اللہ
تلخیص: مولانا جمیل الرحمٰن عباسی

حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

اَنصار میں سے خزرج والوں نے جن چار برگزیدہ ہستیوں پر بجا طور پر فخر کیا تھا، اُن میں سے ایک قابلِ صد افتخار نام دربارِ رسالت کے چہیتے صحابی: حضرت سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا ہے۔

حضرت معاذ کا قبول اسلام:

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سلیم الطبع تھے۔ سیدنا مصعبؓ بن عمیر: معلم اور مبلغِ اسلام بن کر مدینہ منورہ پہنچے تو اُن کی تعلیم سے متاثر ہو کر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے اٹھارہ سال کی عمر میں اسلام قبول کر لیا اور جب حج کے موقع پر حضرت مصعبؓ بہتر (۷۲) نفوس کو ہمراہ لے کر مدینہ سے مکہ گئے تو بیعتِ عقبہ ثانیہ میں حضرت معاذؓ بھی شامل تھے، حضرت معاذؓ غیرت مند نوجوان تھے، واپس آ کر بت شکنی کا فریضہ سرانجام دینے لگے۔

رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو دامنِ نبوت سے وابستہ ہو گئے، ذہین و فطین تو تھے ہی، بہت جلد علومِ نبوت کو اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرنے لگے۔

حضرت معاذ کی مواخات:

جب رسول اللہ ﷺ نے مہاجرین اور انصار میں مواخات کا سلسلہ قائم فرمایا تو جیسے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خود بڑے عالم تھے ایسے ہی جن کے ساتھ اُن کا بھائی چارہ قائم ہوا، وہ بھی بقول سیدنا فاروق اعظمؓ: **كنيف ملی علما** تھے، یعنی سیدنا عبداللہ بن مسعود ہذلی رضی اللہ عنہ۔

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا بھائی چارہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ہوا جس نے سونے پر سہاگہ کا کام دیا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ خود بڑے عقل مند اور ذہین تھے، پھر آقائے دو جہاں ﷺ کی صحبتوں کے ساتھ برادرِ محترم کی رفاقتیں! نور علی نور

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا علمی پایہ:

جیسا کہ اوپر عرض کیا جا چکا ہے، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے بہت جلد علمی ترقی کے مراحل طے کر لیے۔ یہی وجہ ہے کہ: رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ’’تم قرآن مجید چار آدمیوں سے پڑھا کرو: عبداللہ بن مسعود، سالم مولیٰ ابی حذیفہ، اُبی بن کعب اور معاذ بن جبل۔‘‘ [بخاری: ۱/۱/۵۳۱]

راوی حدیث صحابی (حضرت عبداللہ بن عمروؓ) فرماتے ہیں: مجھے یاد نہیں رہا کہ آنحضرتؐ نے

حضرت اُبی کا نام پہلے لیا تھا یا حضرت معاذ کا (رضی اللہ عنہم اجمعین) یہ روایت دیگر صحاح میں بھی موجود ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت آئی ہے جس میں چند دیگر کبار صحابہ کے مناقب کے ساتھ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارہ میں فرمایا ہے: و أعلمهم بالحلال و الحرام معاذ بن جبل. یعنی رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں حلال حرام کے مسائل سب سے زیادہ جاننے والے معاذ بن جبل ہیں۔ [ترمذی: ۲۲۰/۲]

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا یہی علمی مقام ہے جس کی وجہ سے وہ عہدِ رسالت میں بھی فتویٰ دیا کرتے تھے۔ یہ اِعزاز چھ (۶) کبارِ صحابہ کو حاصل تھا، تین مہاجرین میں سے تھے: حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ۔ تین انصار میں سے: حضرت اُبی بن کعب، حضرت معاذ بن جبل اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم۔ [اسد الغابہ: ۲۰۵/۵]

آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بارے میں یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ: وہ قیامت کے روز تیر پھینکنے کا فاصلہ علماءِ امت سے آگے آگے ہوں گے۔ [اسد الغابہ: ۰۶] اور یہ بھی کہ: علم کا جھنڈا ان کے ہاتھ میں ہوگا۔ روایت کا پہلا حصہ جو علامہ ابن اثیرؒ نے نقل کیا ہے، حافظ ذہبیؒ نے بھی نقل فرمایا ہے۔ [تذکرۃ الحفاظ: ۱۹/۱]

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ (جو گویا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بڑے بھائی تھے) نے قرآن پاک کی آیت کریمہ: ان ابراهيم كان امة قانتا لله [سورہ نحل: ۱۲۰] سے اقتباس لے کر یوں پڑھا: ان معاذا كان امة قانتا لله. مخاطب کو فوری طور پر سمجھ نہیں آیا، اس نے خیال کیا کہ آپ بھول رہے ہیں، اس نے صحیح آیت پڑھ دی، آپ نے پھر پڑھا: ان معاذ ا كان امة قانتاً. اور فرمایا: تم جانتے ہو کہ امة اور قانتا کے معنی کیا ہیں؟ اس نے کہا: الله اعلم! آپ نے فرمایا: الامة: جو لوگوں کو نیکی کی تعلیم دے۔ قانتا: اللہ کا فرماں بردار۔ [تفسیر ابن کثیر: ۵۹۰/۲]

حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن جریر کا بھی حوالہ دیا ہے۔ حافظ ذہبیؒ نے یہی بات الفاظ بدل کر نقل کی ہے۔ فرمایا: ہم لوگ معاذؓ کو حضرت ابراہیمؑ سے تشبیہ دیا کرتے تھے: كان امة قانتا لله حنيفا۔ [تذکرہ: ۱۹]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی فیاضی:

جود و کرم عربوں کی گھٹی میں شامل تھا، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بھی طبعاً بڑے فیاض اور سخی تھے، اِس لیے اکثر و بیشتر مقروض رہتے تھے۔ ایک دفعہ تو نوبت یہاں تک پہنچی کہ قرض خواہوں کے مطالبات پورے کرنے کے لیے اپنے گھر کی ساری پونجی نیلام فرما دی تھی۔

حضرت معاذ کی قدر ومنزلت:

حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نظروں میں آپ کا بڑا اِحترام تھا، ہم شروع میں بھی عرض کر چکے ہیں کہ کوئی محفل ہوتی تو آپ اس میں میرِ مجلس ہوتے تھے، ایک تو آپ شکل وصورت کے لحاظ سے نہایت وجیہ تھے، دوسرا علم میں اپنی مثال آپ تھے۔ اِس سلسلہ میں کتابوں میں کئی عجیب وغریب اور دلچسپ واقعات ملتے ہیں، آپ بھی ایک واقعہ پڑھ کر اپنا ایمان تازہ کر لیجیے!

ابو اِدریس خولانی کہتے ہیں: میں ایک مرتبہ دمشق کی جامع مسجد میں گیا تو دیکھا کہ ایک نہایت ہی خوبرو نوجوان بیٹھے ہیں، جن کے دانت موتیوں جیسے آبدار ہیں، آنکھیں سرمگیں اور بڑی بڑی ہیں، بیس کے لگ بھگ آدمی ان کے گرد حلقہ بنائے ہوئے ہیں، جب ان میں کوئی بات چھڑ جاتی ہے تو سب اس نوجوان کی طرف رجوع کرتے ہیں اور وہ جو کچھ فرما دیتے ہیں، فیصلہ کن اور حتمی ہوتا ہے، سب اسے مان لیتے ہیں۔ دریافت کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ آپ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہیں، اگلے روز میں آیا تو آپ ایک ستون کے پاس نماز پڑھ رہے تھے، نماز مختصر کر کے فارغ ہوئے تو گوٹھ مار کر بیٹھ گئے، میں نے قریب ہو کر عرض کیا، جناب! قسم بخدا، مجھے آپ سے اللہ کی خاطر محبت ہو گئی ہے، آپ نے قسم دے کر کہا واقعی ایسا ہے؟ میں نے کہا: قسم بخدا۔ فرمایا: تو جو لوگ اللہ کی خاطر آپس میں محبت رکھتے ہیں، وہ اللہ کے سایہ میں ہوں گے جس روز کہ اس کے سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (راوی کہتے ہیں اس جملہ میں تو مجھے کچھ تردد ہے۔ آگے جو کچھ بیان کر رہا ہوں اس میں کوئی شک نہیں ہے) ان کے لیے نور کی کرسیاں بچھائی جائیں گی اور رب تعالیٰ سے جو قرب حاصل ہوگا، بعض انبیاء علیہم السلام، صدیقین اور شہداء بھی ان پر رشک کریں گے۔

ایک مرتبہ سیدنا عمر فاروق اعظمؓ نے فرمایا: عجزت النساء أن یلدن مثل معاذ. وہ عورتیں نہیں رہیں جو معاذ بن جبل جیسے انسان کو جنم دیں۔

حضرات صحابہ کرامؓ یا دوسرے لوگوں میں تو حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی جو عزت تھی، وہ بے شک قابلِ قدر ہے۔ طرفہ یہ کہ خود بارگاہِ نبوت میں ان کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اِس سلسلہ میں درج ذیل مناقب پڑھ کر اندازہ لگا لیجیے کہ سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ کس شان کے مالک تھے۔

۱- رسول اللہ ﷺ نے چند کبار صحابہ کے نام لے کر ہر ایک کے بارے میں فرمایا: نعم الرجل یعنی وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔ وہ صحابہ کرامؓ یہ ہیں، سیدنا ابوبکر، سیدنا عمر، سیدنا ابوعبیدہ بن جراح، سیدنا اسید بن نضیر، سیدنا ثابت بن قیس، سیدنا معاذ بن جبل اور سیدنا معاذ بن عمرو بن جموح رضی اللہ عنہم اجمعین.

[ترمذی شریف: ۲۲۰/۲]

۲- بسا اوقات ایسا ہوتا کہ رسول اللہ ﷺ، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سواری کے جانور پر ہم رکابی کا

شرف بخشتے، حالانکہ عموماً یہ اعزاز اہلِ بیت کے افراد حضرات حسنین، حضرت عبداللہ ابن عباس، حضرت فضل بن عباس یا حضرت اسامہ بن زید وغیرہم رضی اللہ عنہم کو حاصل ہوتا تھا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی ہم رکابی کے واقعات صحیح بخاری، صحیح مسلم، جامع ترمذی اور مسند احمد و دیگر کتب حدیث میں موجود ہیں۔

۳- ان سب سے بڑھ کر جو بات ہے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا طغرائے امتیاز ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کا وہ فرمانِ گرامی ہے جو ائمہ محدثین نے نقل فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا: ''انی أحبك یا معاذ!'' (اے معاذ! مجھے آپ سے محبت ہے) حضرت معاذؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، میں بھی آپ سے گہری محبت رکھتا ہوں۔ فرمایا: میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ہر نماز کے بعد یہ دعا ضرور کیا کرنا: اللھم اعنی علی ذکرك و شکرك و حسن عبادتك. [ابوداؤد شریف: ۲۱۲۔ سنن نسائی: ۱۴۶۔ مشکوۃ شریف: ۸۸۔ مسند احمد: ۲۴۵/۵]

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی رسول اللہ ﷺ سے جدائی:

جزیرۃ العرب کے جنوب مغرب میں یمن کا علاقہ واقع ہے۔ محلِ وقوع کے لحاظ سے یہاں کی آب وہوا معتدل نسبتاً گرم ہے۔ یہ علاقہ اگرچہ کوہستان اور ریگستان پر مشتمل ہے، تاہم زمینی پیداوار خوب ہوتی ہے۔ گلہ بانی بھی یہاں کے لوگوں کا پیشہ رہا ہے۔ عربوں کے تجارتی قافلے سردی کے موسم میں اس طرف رخ کرتے تھے، یہاں کے لوگوں کی ایک خاص منقبت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا: ھم أرق أفئدۃ و ألین قلوبا. یعنی وہ بڑے نرم دل ہوتے ہیں۔ یہاں عہد نبوت ہی میں اسلام پہنچ چکا تھا ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذؓ کو معلّم اور قاضی بنا کر یمن روانہ فرمایا، اس وقت یمن دو حصوں میں منقسم تھا ، اس لیے آنحضرت ﷺ نے دو آدمی بھیجے۔ ایک حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ (جو یمنی الاصل تھے) اور دوسرے حضرت معاذؓ۔ بالائی علاقہ حضرت معاذؓ کے حصہ میں آیا اور زیریں علاقہ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی عملداری قرار پایا۔ دونوں اپنے اپنے علاقہ میں کام کرتے اور وقتاً فوقتاً آپس میں ملتے رہتے تھے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ روانہ ہونے لگے تو رسول اللہ ﷺ مشایعت (رخصت کرنے) کے لیے مدینہ سے باہر تک تشریف لے گئے۔ حضرت معاذؓ اونٹ پر سوار تھے اور دو جہانوں کے بادشاہ پیدل چل رہے تھے۔ سیدنا معاذؓ جدا ہونے لگے تو آقائے دو جہاں ﷺ نے فرمایا: معاذؓ! ممکن ہے تم اَب مجھے نہیں مل سکو گے اور شاید تم میری مسجد اور قبر کے پاس سے گزرو گے۔ (اس رازِ دروں کے فاش ہونے پر عاشق صادق پر کیا گزری ہوگی؟) بس گریہ شروع ہوگیا۔ رسول اللہ ﷺ نے شہر کی طرف رخ فرمالیا اور فرمایا: میرے قریب تر وہ لوگ ہوں گے جو پرہیز گار ہوں گے، وہ جو بھی ہوں، جہاں بھی ہوں۔ [مسند احمد: ۲۳۵/۵]

مسند احمد میں وارد حدیث کے مکمل الفاظ ملاحظہ ہوں، آنحضرت ﷺ نے فرمایا:

ایک محبّ صادق کے لیے تسلی دلانے کے اِس سے بہتر الفاظ کیا ہو سکتے ہیں؟ سبحان اللہ! پوری امت کے لیے ایک جامع درس ہے۔حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن بھیجتے وقت رسول اللہ ﷺ نے ایک نصیحت اور بھی فرمائی تھی: ایاك و التنعم فان عباد الله ليسوا بالمتنعمين. [مسند احمد: ۲۴۳/۵۔۲۴۴] ترجمہ: تم آرام طلبی سے بچتے رہنا کیونکہ اللہ کے بندے آرام پسند اور عیاش نہیں ہوتے۔

یہ ارشاد گرامی حکامِ سلطنت کے لیے مشعل راہ ہے کہ انہیں اپنے منصب اور کرسی کو عیاشی کا ذریعہ نہیں بنا لینا چاہیے۔ دوسری طرف حضرت معاذ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو تعینات فرماتے وقت رعایا کے بارے میں ایک ہدایت فرمائی جو آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل ہے یا **motto** بنانے کے لائق۔ ارشاد فرمایا:

☆......**یسرا و لا تعسرا**. عوام کے لیے سہولتیں پیدا کرنا، مشکلات نہ پیدا کرنا۔

☆......**بشرا و لا تنفرا**. انہیں خوش رکھنا، ان کے دلوں میں نفرت نہ پیدا کرنا۔

☆......**تطاوعا و لا تختلفا**. تم دونوں آپس میں اتفاق سے رہنا، اختلاف نہ کرنا۔

سیاست مدن کے عنوان پر اس سے بہتر کیا کہا جا سکتا ہے؟ (یہ حدیث 'بخاری: ۶۲۲/۲ میں ہے۔)

اے کاش! آج کے حکمران کہیں ان ارشاداتِ عالیہ کو پڑھتے اور ان پر عمل کرتے تو کایا ہی پلٹ جاتی۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا سفر آخرت:

سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ عہدِ صدیقی میں مدینہ منورہ واپس آ گئے۔ وہاں کچھ عرصہ گزار کر شام میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کے ساتھ قومی اور ملکی خدمات سرانجام دیتے رہے۔

۱۸ھ میں شام کے علاقہ میں ایک وبائی بیماری پھوٹی، یہ بیماری ''عمواس'' نامی ایک گاؤں سے شروع ہوئی تھی، اس لیے کتابوں میں اس کا نام طاعون عمواس آتا ہے، اس میں بڑی تعداد میں لوگ لقمۂ اجل بنے، بعض کتابوں میں مرنے والوں کی تعداد پچیس ہزار لکھی ہے، سیدنا ابوعبیدہؓ بن جراح گورنر شام نے بھی اسی بیماری میں المطعون شهيد کے مطابق جامِ شہادت نوش فرمایا۔ انہوں نے حضرت معاذ کو اپنا نائب مقرر فرمایا تھا، امیر المؤمنین سیدنا فاروق اعظمؓ نے اس تقرر کی توثیق فرما دی، مگر ہوتا ہے وہی جو منظورِ خدا ہوتا ہے۔

حضرت معاذؓ کے ہمراہ آپ کا مختصر سا کنبہ، دو بیویاں تھیں اور ایک صاحبزادہ مسمّی عبدالرحمٰن۔ یکے بعد دیگرے تینوں اس بیماری کا شکار ہو کر وفات پا گئے۔ بالآخر وبائی مرض نے آپ کو بھی آ لیا۔ نتیجتاً آپ بھی فوت ہو گئے، اس وقت آپ کی عمر ۳۸/۳۷ برس تھی۔ رضی الله عنهم اجمعين و ارضاهم.

انجم نیازی

سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حُسن میں بھی، علم میں بھی، حلم میں بھی لاجواب
وہ رسول ہاشمی ﷺ کے باغ کا تازہ گلاب
کیا کہوں اُس کو ہوا کتنا عطا حُسن و جمال
دوجہاں دَنگ رہ گئے تھے دیکھ کر اُس کا کمال
عہدِ نبویؐ میں دیا کرتے تھے یہ فتوے وہاں
جس جگہ حاضر نہ ہوتے تھے رسولِؐ دوجہاں
سرورِ ہر دَوسرا کو تھا بھروسہ حِلم پر
اُن کے زہد اور اُن کے فتوے ، اُن کے گہرے علم پر
دین کے عالم بڑے اَصحاب میں بس چار☆ ہیں
یہ نبیؐ کے چار ساتھی اور نبیؐ کی یاد ہیں
ان بڑوں میں ہی معاذؓ ابنِ جبل کا نام ہے
یہ فقیہِ بے مثال اور عاشقِ اسلام ہے
یہ نبیؐ کا سایہ بن کر ہی چلا ہے ساتھ ساتھ
ہر جگہ اور ہر گھڑی ان کے رہا ہے ساتھ ساتھ
دوسروں کو علم دینے کے لیے بھیجا گیا
دوسروں کو حِلم دینے کے لیے بھیجا گیا
علم سے دینِ نبی ﷺ کو دُور تک پھیلا دیا
کیا کہوں امت کو اس نے کیا دیا کتنا دیا
ساری امت پر کیے احسان اس نے بے شمار
ساری صدیوں کا تقدس اس کے لمحے پر نثار

☆سیّدنا علی، سیّدنا عبداللہ بن مسعود، اُبی بن کعب اور سیّدنا معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد مجلس:۱۶

المجالس الحسنہ

مجالس: مولانا مفتی محمد حسن مدظلہم [خلیفہ مجاز: حضرت امام اہل سنت رحمہ اللہ]

23 / دسمبر 2013ء......۲۰ / صفر المظفر ۱۴۳۵ھ

اصل زیور اللہ کا حکم پورا کرنا ہے

بخاری شریف میں زکوٰۃ کی تاکید اور زکوٰۃ نہ دینے کی وعید پر مشتمل احادیث آئیں، اِس نسبت سے فرمایا: زیور کی زکوٰۃ ادا کرنی چاہیے۔ حضرت اقدس شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری نور اللہ مرقدہ کے خاندان میں بچیوں کی شادی ہوئی تو حضرت نے اُنہیں ترغیب دی اور اُن کا زیور لے کر ان سے صدقہ کروا دیا۔ پھر فرمایا: ’’مجھے اندیشہ تھا کہ تم زکوٰۃ نہ دیتیں اور عذاب میں گرفتار ہوتیں۔‘‘

فرمایا: زیور کی زکوٰۃ اور اس میں اللہ رب العزت کا حکم پورا کرنا ہی اصل زیور ہے۔ باقی سونا کیا چیز ہے، آگے سونے چاندی کے محل ہیں۔ اللہ ایمان کی سلامتی کے ساتھ لے جائے۔ مدینہ منورہ کے متحف (میوزیم) میں ہم نے دیکھا کہ اتنا بڑا (دونوں ہاتھوں سے ایک بالشت سے زیادہ اشارہ کر کے کہا) پتھر تھا، پورا سونے کا۔ بتانے لگے کہ یہ اُحد پہاڑ کے قریب کھدائی سے ملا تھا۔

زکوٰۃ کی اہمیت اور عوام کی غفلت پر بات کرتے ہوئے فرمایا: میری ہمشیرہ ہیں گاؤں میں رہتی ہیں، ہم نے جب زکوٰۃ کا سنا تو میں نے ان سے پوچھا کہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کی ہے یا نہیں؟ تو زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی۔ جب حساب لگایا تو 36,000 / روپے زکوٰۃ بنی۔ لیکن ان کے حالات کچھ بہتر نہ تھے، حالات ایسے ہوتے ہیں، اِس لیے ان کی زکوٰۃ میں نے خود تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کی۔

میرے حضرت (شیخ الحدیث حضرت مولانا صوفی محمد سرور صاحب دامت برکاتہم العالیہ [رحمہ اللہ]) فرماتے ہیں کہ آج کل کے دَور میں اگر کسی کے پاس ایک تولہ سونا اور ساتھ میں ایک روپیہ بھی ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ [کیونکہ وہ سونا روپے کے حکم میں ہوگا اور چاندی کے نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو جائے گا۔ از: مرتب]

بیرحاء: ﴿لن تنالو البر حتیٰ تنفقوا مما تحبون﴾ اس پر حضرت ابو طلحہ انصاری رضی اللہ عنہ کے باغ صدقہ کرنے کی بات آئی۔ فرمایا:

اس باغ کا نام ’’حاء‘‘ تھا، اس میں ایک کنواں بھی تھا جس کا پانی خوشگوار تھا، کبھی کبھی رسالت مآب ﷺ جاتے

اور اس کا پانی نوش فرماتے تھے۔ اَب یہ باغ مسجد نبوی میں آچکا ہے، جہاں باب فہد ہے غالباً ۲۲ یا ۲۳ رنمبر دروازہ ہے، وہاں قریب تین دائرے بنے ہوئے ہیں، اُن میں سے درمیان والا دائرہ اس کنویں کا نشان ہے۔

دین سے دُور عورتوں کی حالت:

حدیث شریف آئی: ’’ما رأيت من ناقصات عقل و دين أذهب للب الرجل الحازم من احداٰ کن‘‘ (أذھب) کا ترجمہ حضرت نے یوں فرمایا: ’’عقل کو اُڑا کر رکھ دیتی ہیں‘‘۔

پھر فرمایا: یہ صفات دین سے دُور عورتوں کی ہیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: عورتوں کو اچھا سے اچھا کپڑا لا کر دے دو، کہیں گی: ہمارے گھر میں کیا ہے؟ بس چند چیتھڑے ہیں چیتھڑے! اچھا سے اچھا جوتا لا کر دو، کہیں گی: ہمارے گھر میں کیا ہے؟ بس چند لیتڑے ہیں لیتڑے! اچھے سے اچھا برتن لا کر دو، کہیں گی: ہمارے گھر میں تو بس چند ٹھیکرے ہیں ٹھیکرے!

بہنوں کی میراث میں حق تلفی:

اِسی طرح میراث میں: بہنوں کے حق کا مسئلہ ہے۔ اِس میں بھی بڑی کوتاہی ہوتی ہے۔ میرا عام طور سے گھر میں مزاج نرم ہے، لیکن گھر میں میرا اِس بات پر جھگڑا ہوا کہ بہنوں کا حق ادا کرنا ہے۔ جہنم میں لے کر نہیں جانا۔ ہم نے والد صاحب کی وفات کے بعد جو بھی زمین تھی سب کے نام لگوا دی، ہم تین بھائی ہیں، تین بہنیں ہیں۔ عمر کے اعتبار سے میں سب سے بڑا ہوں۔ سب کے نام زمین لگوا دی۔ اور سب پر حج فرض ہو گیا تو میں نے کہا: اَب حج کرو! اللہ نے سب کو حج کروا دیا۔ دیہاتی لوگوں کی جیب سے پیسہ بڑی مشکل سے نکلتا ہے۔ اُنہوں نے تہبند میں گرہیں لگا رکھی ہوتی ہیں۔ حج کا خیال رکھنا چاہیے، اِسی طرح زکوٰۃ کا، اور عشر وغیرہ کا۔

مدرسہ تو جنت ہے:

ہمارے ساتھی ہیں حضرت مولانا یسین صاحب دامت برکاتہم وہ یہاں تشریف لائے، طلبہ میں بیان فرمایا تو کہا: تم لوگ جنت میں بیٹھے ہو۔ بتاؤ آٹے کا کیا بھاؤ ہے؟ کسی کو کیا معلوم ہوتا۔

فرمایا: کھا رہے ہیں اور بھاؤ معلوم نہیں، یہ جنت نہیں تو اور کیا ہے!

کام لینے والا خود لے لے گا:

بس میرے عزیز! لگے رہیں! کام اللہ نے لینا ہے۔ آپ اللہ کے دین کے چوکیدار ہیں، چوکیدار کو معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کیا خدمت کرنی ہے، مالک کو معلوم ہوتا ہے میں نے کیا خدمت لینی ہے۔ میں جب دورے میں تھا تو میرے تصور میں بھی نہیں تھا کہ یہاں پڑھاؤں گا اور ایسے ایسے مدرسہ ملے گا۔ اللہ کا

شکر ہے۔ پھر اللہ نے جامعہ مدنیہ ۲۵/۱ ایکڑ کی زمین دیدی۔ اتنے سارے روحانی بیٹے اللہ تعالیٰ نے عطا فرما دیے۔ میں صبح اٹھا تو ایک طالب علم نے پانی گرم کر کے وضو کے لیے دیدیا۔ مجھے حالانکہ تکلف نہیں ہوتا۔ جیسا پانی ہو اس سے وضو کر لیتا ہوں، لیکن طلبہ کی محبت ہے۔

طلبہ صدقہ کھاتے ہیں:

لوگ کہتے ہیں: طلبہ صدقے کا مال کھاتے ہیں۔ تمہارا تھوڑی کھاتے ہیں، رب کا مال کھاتے ہیں۔ صدقہ حقُ اللہ (اللہ کا حق) ہے۔ تمہارے ذمہ ہے۔ اگر نہیں دو گے تو تمہاری پکڑ ہوگی۔ حسامی میں لکھا ہے: ''الصدقة تقع فی کف الرحمن فتقع فی کف الفقیر'' [صدقہ پہلے اللہ کے ہاتھ میں جاتا ہے اور پھر فقیر کے ہاتھ میں آتا ہے] یہ تو اللہ کا مال ہے۔ البتہ اللہ نے کہہ دیا کہ ہمارے اِن طلبہ کو دیدو ہمارے پاس پہنچ جائے گا۔ ''انما الصدقات للفقراء'' میں ہمارے نزدیک لام عاقبت کے لیے ہے۔ تملیک کے لیے نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مال آخر کار انجام کار فقیر کے پاس پہنچ جائے گا۔ جیسے کہتے ہیں ''لزم الشر للشقاوة'' اس نے شر کو لازم پکڑا جس کا انجام محرومی ہے۔ اسی طرح شعر ہے ؎

له ملک ینادی کل یوم   لدوا للموت و ابنوا للخراب

ترجمہ: ''ایک فرشتہ ہے جو ہر روز یہ ندا دیتا ہے: موت کے لیے بچے جنو اور ویرانی کے لیے گھر بناؤ۔''

حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب رحمہ اللہ فرماتے تھے: مدارس کے طلباء حق اللہ کھاتے ہیں اور پھر حق کے لیے لڑتے بھی ہیں۔

وظیفہ تھوڑا بھی ہو کام کرنا ہے

فرمایا: حق حلال کی روزی کمانا یہ بھی اجر کا کام ہے۔ میں چترال میں گیا وہاں دیکھا ایک صاحب کلہاڑی کندھے پر رکھے جنگل کو جا رہے تھے۔ (لوگ) بتانے لگے کہ: یہ صبح بچوں کو پڑھاتے ہیں اور پھر جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر لاتے ہیں اور ان کے گٹھے بنا کر بیچتے ہیں۔ ادھر سرحد وغیرہ میں علماء کے معمولی معمولی وظیفے ہیں، ہزار دو ہزار پھر کچھ گائے وغیرہ پال کر گذارا کرتے ہیں۔ لیکن دین کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔

اس کھلے ماحول کی قدر کریں

حدیث ''الفرار من الفتن'' آئی۔ کہ آدمی پہاڑ کی کھوہ میں جا بیٹھے [جیسے اصحاب کہف اپنا ایمان اور دین بچانے کے لیے غار میں چلے گئے۔ از: مرتب]۔ حضرت نے ''ہدیۃ القاری'' منگوائی اور اس میں سے پڑھ کر سنایا:

''لکنه محمول علی غیر اهل الاصلاح و الافتاء و القضاء الا اذا لم یأمنوا علی

أنفسهم / دينهم“

ترجمہ: یہ حکم عام لوگوں کے لیے ہے۔ جن لوگوں نے معاشرے میں اصلاح، فتویٰ، اور قضا وغیرہ کا کام کرنا ہے ان کے لیے نہیں۔ ہاں اگر ان کا دین یا جان بھی خطرے میں پڑ جائے تو الگ بات ہے۔

اس پس منظر میں فرمایا: ہمارے ہاں اللہ کا شکر ہے حالات کھلے ہیں، آزادی سے جو کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ دین کا علم جیسے چاہیں حاصل کر سکتے ہیں۔ پاکستان بڑی نعمت ہے۔ بیچارے اور علاقوں کے حالات سنیں، برما سے ایک ساتھی آئے فرمانے لگے: اِس کھلے ماحول کی قدر کرو۔

میں سعودی عرب میں تھا، وہاں بیچارے طلبہ کو علم دین کا بڑا شوق ہے، وہاں مدینہ منورہ میں آ جاتے تھے، لیکن حالات ایسے ہیں کہ زیادہ لوگ اگر ایک جگہ پر اکٹھے ہو جائیں تو نظر میں آ جاتے ہیں۔ اس لیے ہمارے طلبہ ایک ایک دو دو کر کے آتے تھے پھر گھر بدل بدل کر سلسلہ چلتا رہا۔ ریاض شہر میں بچیوں کا ایک مدرسہ تھا پورے سعودیہ کا بڑا مدرسہ تھا، لیکن دورہ حدیث شریف کی تعداد ۹ رتھی۔ اَب پتہ نہیں کیا صورتِ حال ہے۔ بعد میں معلوم ہوا تھا کہ: اُس پر بھی کچھ حالات آئے تھے۔

دین کی حفاظت کی ضمانت

اہل اصلاح کے بارے میں فرمایا: ان کا وجود بہت ضروری ہے۔ بڑی نعمت ہے۔ حضرت لدھیانوی شہید رحمہ اللہ برطانیہ کے دورے پر تھے، وہاں کے احباب نے پوچھا: اِس دور میں اپنے دین کو محفوظ رکھنے کے لیے کیا کیا جائے؟ دو جملے ارشاد فرمائے۔ فرمایا: ایک تو کسی اللہ والے کے سائے میں رہیں۔ اور دوسرا کبھی کبھی تبلیغ میں وقت لگاتے رہیں۔

تبلیغ کی نسبت سے فرمایا:

تبلیغ کا کام بھی اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت ہے۔ اِس کی برکت سے اللہ نے ٹھنڈی ہوا چلا رکھی ہے۔

دین کے سارے شعبے اپنے ہی ہیں

پھر فرمایا: دین کے جتنے بھی سلسلے ہیں سب برحق ہیں۔ لگیں کسی ایک میں لیکن محبت سب سے ہو۔ جذبہ یہ ہو ”چاہیے تو یہ تھا کہ میں بستر لے کر رائیونڈ پہنچ جاتا، چاہیے تو یہ تھا کہ کلاشنکوف لے کر افغانستان پہنچ جاتا“۔ [لیکن اور دینی مصروفیات کی وجہ سے نہیں جا سکتا۔ از: مرتب] اِس لیے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ان کی طرف محبت کی نظر سے دیکھ لیتا ہوں کیونکہ یہ لوگ ہماری طرف سے ہی فرض کفایہ ادا کر رہے ہیں۔ ان کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھیں گے تو اجر میں برابر کے حصہ دار بن جائیں گے۔



مولانا محمد صدیق رحمہ اللہ [شیخ الحدیث: جامعہ خیر المدارس ملتان]

بدعت سے اپنی حفاظت فرمائیں

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **ایاکم والبدعة.** بچو تم بدعت سے۔ نیز حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: **کل بدعة ضلالة و کل ضلالة فی النار.** ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دوزخ میں لے جانے والی ہے۔

بدعت کی تعریف:......دین میں کسی چیز کا اضافہ کرنا دین سمجھ کر، یہ بدعت کہلاتا ہے۔

بدعت کا حکم: **قال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: مَن احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد.** ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہمارے دین میں جس نے نئی بات گھڑ لی وہ مردود ہے۔ [بخاری، مسلم، ابوداؤد، ابن ماجہ]

علامہ ابن رجب حنبلیؒ لکھتے ہیں: **کل من أحدث فی الدین مالم یأذن به اللہ ورسوله فلیس من الدین شی.** [جامع العلوم والحکم طبع مصر، بحوالہ راہ سنت: ۷۳] جس نے دین میں کوئی ایسی چیز ایجاد کی جس کی اجازت اللہ اور اس کے رسول نے نہیں دی تو اس کا دین سے کوئی تعلق نہیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ ہر اِحداث مردود نہیں ہے، بلکہ جو **احداث فی الدین** ہو وہ مردود ہے، چنانچہ بعض روایات میں ہے۔ **من أحدث فی دیننا ما لیس منه فهو رد** ۔علامہ ابن حجرؒ **فی امرنا هذا** کی شرح لکھتے ہیں: **والمراد امر الدین** ۔[فتح الباری: ۳۲۱/۵] مراد یہ ہے کہ دین میں غیر دین کو شامل کر لیا جائے۔

علامہ تفتازانیؒ لکھتے ہیں: **ان المراد بذلک ان یجعل فی الدین مالیس منه.** [شرح مقاصد: ۲۷۱/۲] کہ اس سے مراد یہ ہے کہ دین میں ایسی چیز شامل کر دے جو اس سے نہیں ہے۔

مولانا خلیل احمد سہارنپوریؒ لکھتے ہیں: مراد اَمرِ دین ہے۔ [**بذل المجهود:** ۱۹۵/۵]

علامہ عثمانیؒ لکھتے ہیں: **والمرد بالامر: الدین کما صرحوا به.** [**فتح الملهم:** ۴۰۷/۱]

مولانا شبیر احمد عثمانیؒ لکھتے ہیں کہ: ''بدعت کہتے ایسا کام کرنا جس کی اصل کتاب وسنت اور قرون مشہود لھا بالخیر میں نہ ہو اور اس کو دین اور ثواب سمجھ کر کیا جائے''۔ [حمائل شریف: ۷۰۲]

مفتی کفایت اللہؒ لکھتے ہیں: ''بدعت اُن چیزوں کو کہتے ہیں جن کی اصل شریعت سے ثابت نہ ہو یعنی قرآن مجید، حدیث شریف سے اُس کا ثبوت نہ ملے اور صحابہ کرامؓ اور تابعین اور تبع تابعین کے زمانہ میں

اُس کا وجود نہ ہو اور اُسے دین کا کام سمجھ کر کیا جائے یا چھوڑا جائے۔" [تعلیم الاسلام: ۴/۲۷]

خیر القرون کا تعامل بھی حجۃ ہے:

عن عمران بن حصین قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: خیر الناس قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم. ترجمہ:۔حضرت عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بہترین لوگ میرے زمانے کے ہیں، پھر وہ لوگ جو اِن سے ملے ہوں گے، پھر وہ لوگ جو اُن سے ملے ہوں گے۔

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: **سأل رجل النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: أی الناس خیر؟ قال: القرن الذی انا فیہ، ثم الثانی، ثم الثالث** ۔[مسلم شریف:۲/۳۱۰]۔حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں: ایک صحابیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوال کیا: کون سے لوگ بہترین ہیں؟ فرمایا: اِس زمانہ کے لوگ جس میں مَیں ہوں، پھر دوسرے زمانہ کے لوگ، پھر تیسرے زمانہ کے لوگ۔

علامہ نوویؒ اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: **والصحیح ان قرنہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم: الصحابۃ، والثانی: التابعون، والثالث: تابعوھم.** [شرح مسلم شریف:۲/۳۰۹] اور صحیح یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کے لوگ صحابہ کرامؓ ہیں اور دوسرے زمانہ کے لوگ ان کی اتباع کرنے والے (یعنی تابعین) ہیں اور تیسرے زمانہ کے لوگ ان کی اتباع کرنے والے (یعنی تبع تابعین) ہیں۔

خیر القرون کو "قرون مشہود لھا بالخیر" کہا جاتا ہے، اِن کا تعامل حجت ہے، ان کا دور ۲۲۰ھ تک رہا ہے۔ یہی وہ حضرات ہیں جن کے نقش قدم پر چل کر ہمیں کامیابی نصیب ہو سکتی ہے، یہی امت مرحومہ کا بہترین گروہ ہے۔

بدعت کی پہچان:

اگر اسباب اور محرکات خیر القرون میں موجود تھے تو اُن کو خیر القرون میں جس طریقہ پر کیا گیا اُسی طریقہ کو شریعت سمجھا جائے گا۔ اور اُن محرکات واسباب پر، جو خیر القرون میں تھے: اضافہ بے دینی، جہالت اور بدعت سمجھا جائے گا۔

چند مثالیں: حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت یہ ایک سبب خیر القرون میں موجود تھا، لیکن قبل نبوت اور بعد از نبوت باسٹھ سال گذارے اور صحابہ کرام جو کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سچے عاشق تھے، لیکن کسی نے یوم ولادت نہیں منایا تو جب محرک اور سبب موجود تھا، اس کے باوجود عرس یا میلاد نہ منانا جب خیر القرون سے ثابت نہیں ہے تو یہ دن منانا بدعت ہوگا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں کئی اموات ہوئیں، مثلاً: حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا

فوت ہوئیں، حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ شہید کیے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادیاں فوت ہوئیں، یہ سبب موجود تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خیر القرون میں تیجہ، ساتواں، چالیسواں یا قبروں پر میلاد کرنا ثابت نہیں تو اَب یہ کرنا بدعت ہوگا۔

ایصال ثواب کیا جاتا تھا، نہ دنوں کی تعین تھی نہ لوگوں کا اجتماع، اور نہ کھانا سامنے رکھ کر ختم پڑھا جاتا تھا، لہٰذا اَب یہ بدعت ہوں گے۔

ختنے ہوتے تھے، شادیاں ہوتی تھیں، لیکن موجودہ خرافات نہ ہوتی تھیں، لہٰذا اَب یہ بدعت ہونگی۔

جنازے ہوتے تھے، لیکن اُن کے بعد مل کر اجتماعی دعا ہوتی تھی نہ ہی ساتھ **کل حیّ یموت** (یا ''کلمہ شہادت'') کے نعرے لگتے تھے، لہٰذا اَب یہ بدعت ہوں گے۔

مُردوں کو دفن کرتے تھے اور اُس کے بعد مل کر دعا مانگی جاتی تھی، لیکن اَذان نہ ہوتی تھی اور نہ ہی ستر (۷۰) قدم پر جا کر دعا ہوتی تھی، لہٰذا اَب یہ بدعت ہوں گے۔

کفن پہناتے تھے، لیکن اُن پر لکھنے کا رواج نہ تھا، لہٰذا اَب یہ بدعت ہوگا۔

خیر القرون کے زمانے تک کلمہ شریف کا ذکر ہوتا تھا، درود شریف پڑھا جاتا تھا، مگر اجتماعی صورت میں جہر سے ذکر کرنے اور با آواز بلند درود شریف پڑھنے کا اُن میں رواج نہ تھا بلکہ ان پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے نکیر ثابت ہے۔ لہٰذا انداعی کے ساتھ اجتماعی ذکر بالجہر کی مجلسیں لگانا بدعت ہوگا۔

علامہ شاطبیؒ بدعت کی شناخت بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں: **ومنها التزام العبادات المعينة فی اوقات معينة لم يوجد لها ذٰلک التعيين فی الشريعة.** [الاعتصام: ۳۴/۱] اور انہی بدعات میں سے خاص اوقات کے اندر ایسی عبادات معینہ کا التزام کر لینا بھی ہے جن کے لیے شریعت مطہرہ نے وہ اوقات مقرر نہیں کیے۔ **ومنها التزام الكيفيات والهيئات المعينة كالذكر بهيئة الاجتماع علیٰ صوت واحد.** اور انہی بدعات میں سے کیفیات مخصوصہ اور ہیئات معینہ کا التزام ہے جیسا کہ ہیئت اجتماع کے ساتھ ایک آواز پر ذکر کرنا۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا گذر مسجد میں ذاکرین کی ایک ایسی جماعت پر ہوا کہ ایک شخص کہتا: سو مرتبہ اللہ اکبر پڑھو، تو حلقہ نشین لوگ کنکریوں پر سو مرتبہ تکبیر کہتے، پھر وہ کہتا: سو مرتبہ لا الہ الا اللہ پڑھو تو سو بار تہلیل کہتے، پھر کہتا: سو بار سبحان اللہ کہو تو وہ سنگریزوں پر سو مرتبہ تسبیح پڑھتے۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا تم ان سنگریزوں پر کیا پڑھتے ہو؟ تو وہ کہنے لگے: ہم تکبیر و تہلیل و تسبیح پڑھتے ہیں تو فرمایا: پس تم ان کنکریوں پر اپنے گناہ شمار کرو میں اس کا ضامن ہوں کہ تمہاری نیکیوں میں سے کچھ بھی ضائع نہ ہوگا۔ تعجب ہے تم پر اے امت محمد! کیا ہی جلدی تم ہلاکت میں پڑ گئے ہو، ابھی تک حضرات صحابہ کرام تم میں بکثرت موجود

ہیں اور ابھی تک جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کپڑے پرانے نہیں ہوئے اور ابھی تک آپ کے برتن نہیں ٹوٹے (پھر فرمایا) کیا تم (ابھی سے) بدعت کا دروازہ کھولتے ہو۔[مسند دارمی: ۳۸ رقلت بسند صحیح]

عن فتاویٰ القاضی انہ حرام لما صح عن ابن مسعودؓ ان اخرج جماعۃ من المسجد یھللون ویصلون علی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھرا وقال لھم: ما أراکم الا مبتدعین. [شامی: ۲/۳۹۸، فتاویٰ بزازیہ: ۳/۳۷۵] قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا ہے کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے، کیونکہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اس لیے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود پڑھتی اور فرمایا کہ: میں تمہیں بدعتی ہی خیال کرتا ہوں۔

الغرض علامہ قاضیؒ امام بزازیؒ، علامہ شامیؒ، علامہ حمویؒ سب کے سب بزرگ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو **قد صح** سے تعبیر کرتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ اور خیر القرون کے زمانہ میں اعتکاف ہوتا تھا، مجمع اعتکاف بھی ہو جاتا تھا، لیکن اجتماعی اعتکاف نہ ہوتا تھا۔ جیسا کہ آج کل حرمین شریفین میں لاکھوں افراد کا مجمع اعتکاف بیٹھتا ہے۔ لیکن ان کا اعتکاف اجتماعی نہیں۔ **معتکفین** کو خاص اوقات میں خاص معمولات کا پابند نہیں کیا جاتا۔ بیس پچیس سال سے **معتکفین** کو پیر صاحب یا مہتمم مدرسہ پابند کرتے ہیں کہ ہمارے تجویز کردہ معمولات میں شریک ہوں۔ یہ نہ تو خیر القرون میں ہوتا تھا اور نہ ہی اکابر علماء اہل سنت دیوبند کے زمانہ میں ہوتا تھا۔

حضرت ابو سعید خدریؓ کی حدیث میں بھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسجد میں اعتکاف فرمایا پھر (اسی دوران آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے) لوگوں کو جہراً قراءۃ کرتے ہوئے سنا اور آپ اپنے خیمے میں تھے تو آپ نے پردے کو ہٹایا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر ایک اپنے رب سے مناجی (سرگوشی کرنے والا) ہے تو تم میں سے بعض بعض کو ہرگز بھی (بلند آواز کرکے) ایذاء نہ پہنچائیں اور تم میں سے بعض بعض پر با آواز بلند قراءۃ ہرگز نہ کریں یا یہ فرمایا کہ نماز میں۔ [ابوداؤد، رقم الحدیث: ۱۳۳۲]

بدعت سے بچنے کا اصول:

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: **وما تردد بین البدعۃ والسنۃ یترک.** [۱/۱۷۹، طبع مصر] جو چیز سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو وہ چھوڑی جائے گی۔

علامہ شامیؒ [۱/۲۰۰] لکھتے ہیں: **اذا تردد الحکم بین سنۃ وبدعۃ کان ترک السنۃ راجعا علی فعل البدعۃ.** جب کوئی حکم سنت اور بدعت کے درمیان دائر ہو تو سنت کا ترک کرنا فعل بدعت پر مقدم ہوگا۔

اَب جو حضرات معتکفین کو معمولات پابند کرتے ہیں، وہ سنت نہیں ہے۔ یا تو اُن کو بدعت کے شبہ سے چھوڑ دینا چاہئے اور اگر صرف جواز ہے تو بدرجہ اولیٰ اِس معمول کو چھوڑ دینا چاہئے۔ میرے رسالہ ''ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات'' کی تائید میں تیرہ (۱۳) مفتیان عظام نے اس کو بدعت کہا ہے۔ لہٰذا خطرۂ بدعت سے اِس کو چھوڑ دینا واجب ہے۔

سوال: بعض مشائخ اپنے مریدین کو ذکر بالجہر کراتے ہیں؟

جواب: شیخ اپنے مریدین کی اصلاح کیلیے جو بھی ذکر تجویز کرے خواہ بالجہر ہو یا بالسر، انفرادی ہو یا اجتماعی، یہ مریدین کے حسب حال علاجاً ہوتا ہے۔ اور احداث فی الدین نہیں بلکہ یہ احداث للدین ہے۔

چنانچہ مفتی محمد شفیعؒ فرماتے ہیں: ''اسی طرح اِن اشغال کو جمعیت خاطر کا ذریعہ سمجھ کر کرے تو درست ہے، عبادتِ مقصودہ سمجھ کر کرے تو بدعت ہے، یہی حکم ذکر اللہ میں جہر کرنے کا ہے، اگر جہر سے ذکر دفعِ وساوس اور جمعیت خاطر کے حصول کی تدبیر سمجھ کر کرے تو درست ہے، خود جہر کو طاعتِ مقصودہ سمجھے تو بدعت ہے۔'' [مجالس مفتی اعظم: ۳۱۵ / از مفتی عبدالروٗف سکھروی]

اصل میں جائز و ناجائز کا حکم لگانا فقہاء کا کام ہے صوفیاء کا نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں: ایں جا قولِ ابی حنیفہؒ و ابی یوسفؒ و محمدؒ درکار است، قولِ صوفی درکار نیست۔

تنبیہ: میرے استاذ شیخ الحدیث حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے: کہ بدعتی کو توبہ کی توفیق نصیب نہیں ہوتی کیونکہ وہ بدعت کو عبادت سمجھ کر کرتا ہے۔

نیز بدعتی در پردہ ''مدعی نبوت'' ہے کہ جیسے نبی ثواب اور عبادت کے طریقے بتلاتا ہے، اسی طرح ہم بھی عبادت کے طریقے بتلا سکتے ہیں۔

بہر حال تداعی کے ساتھ ذکر کی عام مجلسیں لگانا اور اجتماعی اعتکاف یعنی معتکفین کو خاص معمولات کا پابند کرنا بدعت ہے۔ معتکف کو سنت پر عمل کرنے میں ثواب ملتا ہے بدعت میں شامل ہونے سے ثواب نہیں ملتا، کیونکہ اعتکاف محض مسجد میں ٹھہرنے کا نام ہے، اِس میں کوئی خاص عبادت شرط نہیں ہے، لہٰذا معتکف کا سونا بھی عبادت ہے۔

مساجدِ ثلاثہ کے علاوہ اپنے محلّہ کی مسجد میں اعتکاف افضل ہے، لہٰذا اعتکاف کا ارادہ کرنے والے حضرات اپنے اپنے محلّہ کی مساجد کو آباد کریں اور مساجد کے منتظمین کو چاہئے کہ اعتکاف کے لئے آنے والوں کو بتلائیں کہ محلّہ کی مسجد میں اعتکاف افضل ہے اور اگر محلّہ کی مسجد میں کوئی اعتکاف نہیں کرتا تو پورا محلّہ گناہ گار ہوتا ہے۔

☆☆☆☆

مولانا حافظ عبدالحق خان بشیر

ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلم اور عصر حاضر کا قادیانی گروہ

علامہ زاہد الراشدی کا غیر ذمہ دارانہ تجزیہ

علامہ زاہد الراشدی تقریباً گزشتہ ڈیڑھ دہائی سے ایسے ایسے بیانات جاری کر رہے ہیں جو صحیح العقیدہ اہل علم وفکر اور بالخصوص امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر نور اللہ مرقدہ کے متعلقین ومتوسلین کے لیے نہایت اَذیت وتکلیف کا باعث رہے ہیں۔ متعدد اَصحابِ علم وفہم نے ان مضامین پر تشویش کا اِظہار کیا، اور ہم بھی ان مضامین سے اِختلاف کرتے رہے۔ ان کا ایک حالیہ بیان ۲۹ر جون ۲۰۲۴ء کے روزنامہ ''اوصاف'' اسلام آباد کی اشاعت میں ''ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلم شہری'' کے عنوان سے شائع ہوا ہے۔ میرے خیال میں یہ قادیانیت کی سہولت کاری کا پُر فریب اور خطرناک راستہ ہے جو کوئی منجھا ہوا قلم کار ہی اختیار کر سکتا ہے۔ علامہ راشدی اپنے اِس کالم میں جو تصور اور فکر دے رہے ہیں، وہ اہل حق کی ایک صدی سے زائد کی جدوجہد اور محنت کو ملیا میٹ کرنے کی ایک شعوری یا غیر شعوری کوشش ہے۔ علامہ راشدی نے اپنے اِس کالم میں عہد نبوی کے منافقین اور عصر حاضر کے قادیانی گروہ کو حقوق ومراعات کے ایک ہی پلڑے میں ڈال دیا ہے، جو بلا شبہ ایک اِصابت ودیانت سے بعید غیر ذمہ دارانہ رائے ہے۔ علامہ راشدی منافقین مدینہ کی بعض کارروائیوں پر ریاست کی طرف سے کسی ردعمل سے گریز کا تذکرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

> ''ریاست مدینہ کے اندر دیگر غیر مسلموں کی طرح کلمہ گو غیر مسلم بھی رہتے تھے۔ اُن کی منافقانہ کارروائیوں کی وجہ سے بعض اوقات اُن کے خلاف کارروائی بھی کی گئی۔ اور بعض مواقع پر حکمت ومصلحت کے تحت اُن کے خلاف کارروائی سے گریز بھی کیا گیا۔ اِس حوالے سے محققین کو متوجہ ہو کر آج کے حالات اور تقاضوں کے مطابق طریق کار طے کرنا چاہیے۔ ہماری طالب علمانہ رائے یہ ہے کہ ایسے لوگوں کے خلاف کارروائی کرنے یا نہ کرنے کا مدار حالات کے تقاضوں اور اُمت کے اجتماعی مفاد اور ضرورت پر ہے، جس کا تعین اربابِ حل وعقد اور دینی وعلمی قیادتوں کو مل کر کرنا چاہیے۔''

اِس پیراگراف سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ علامہ راشدی کا اشارہ قادیانی گروہ کی طرف

ہے۔ اور وہ اِس گروہ کے لیے ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلموں جیسی مراعات چاہتے ہیں۔ کیونکہ پاکستان کے اندر صرف قادیانی گروہ ہی ایسا ہے جو قانوناً غیر مسلم ہے، مگر کلمہ گوئی کا حق چاہتا ہے اور اسی کے حقوق کے لیے مغربی دنیا اور اس کے کارندے سرگرم عمل ہیں۔ اور علامہ راشدی کی طرف سے بھی اِس کالم کے ذریعہ بھی اسی گروہ کو سہولت کاری فراہم کی جا رہی ہے۔ دوسرے لفظوں میں اِس کالم کے ذریعہ غامدی اور سیکولر ایجنڈہ کو سپورٹ کیا جا رہا ہے۔ لیکن قادیانی گروہ کو منافقین مدینہ کے ساتھ جوڑنے سے پہلے چند حقائق پیش نظر رکھنے ضروری ہیں۔

(۱)......ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلموں کے ایمان کی قرآن پاک نے بلا شبہ نفی کی ہے۔ اور **وَمَاهُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ** اور **اِنَّهُمْ لَكَاذِبُوْنَ** کے الفاظ سے اُن کے دعویٰ ایمان کو باطل قرار دیا ہے۔ لیکن اِس وضاحت قرآنی کے باوجود ریاست مدینہ نے اُنھیں کافر قرار نہیں دیا۔ اور نہ صحابہ کرام علیہم الرضوان کو اُن سے کافروں جیسا سلوک کرنے کی اجازت دی۔ جبکہ قادیانیوں کو ریاست پاکستان پارلیمانی اور عدالتی ذریعہ سے غیر مسلم اقلیت قرار دے چکی ہے۔ اور ریاست نے یہ فیصلہ قرآنی و نبوی تعلیمات کی روشنی میں دیا ہے۔ اگر علامہ راشدی قادیانیوں کو ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلموں سے جوڑنا ہی چاہتے ہیں تو اُنھیں قادیانیوں کے خلاف اپنی ہی نصف صدی کی کوششوں کے خلاف ایک نئی جدوجہد کا آغاز کرنا ہوگا۔ اور قادیانیوں کے خلاف پارلیمانی اور عدالتی فیصلوں کو ختم کرانا ہوگا، اُن فیصلوں کے خلاف علم بغاوت یا علم جہاد بلند کرنا ہوگا۔ اور یہی مغربی، غامدی اور سیکولر لابیوں کا ایجنڈہ ہے۔ کیا علامہ راشدی اپنی ہی جدوجہد کے خلاف یوٹرن لے کر اِس مغربی و غامدی ایجنڈہ کی تکمیل کر سکیں گے؟

(۲)......ریاستِ مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلموں کے تو اُس وقت نام بھی کسی کو معلوم نہ تھے۔ اُن میں سے بعض وہ تھے جن کے ناموں کی خبر تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو بھی نہیں دی گئی، اللہ رب العزت فرماتے ہیں: ”**لَاتَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ.**“ اے پیغمبر صلی اللہ علیک وسلم! آپ ان منافقین کو نہیں جانتے، مگر ہم ان سے واقف ہیں۔ اور بعض وہ تھے جن کے ناموں کی خبر حضور علیہ السلام کو دی گئی، مگر آپ نے اُن ناموں سے صحابہ کو مطلع نہیں فرمایا، حتی کہ اکابر صحابہ بھی ان کے ناموں سے ناواقف و بے خبر تھے، صرف حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو اُن کے ناموں سے آگاہ کیا گیا اور اُن سے بھی عہد لیا گیا کہ وہ یہ نام کسی پر ظاہر نہیں کریں گے۔ اُن کی وفات ۳۵/ یا ۳۶/ ہجری میں ہوئی اور آخر وقت تک اُنہوں نے یہ نام کسی پر ظاہر نہیں کیے۔

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معمول تھا کہ اُن کے سامنے جب کسی کا جنازہ لایا جاتا تو آپ دیکھتے کہ حضرت حذیفہؓ جنازے میں شریک ہیں یا نہیں؟ اگر شریک نہیں تو کسی سفر و بیماری وغیرہ

عذر کی وجہ سے شریک نہیں یا بلا عذر شریک نہیں، اگر وہ بلا عذر کسی جنازے میں شریک نہ ہوتے تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ بھی اس جنازے میں شرکت نہ کرتے۔ (ذخیرۃ الجنان: ۱۹۵/۸) اور ایک دفعہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کسی شخص کا جنازہ پڑھنے کے لیے کھڑے ہوئے تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے چٹکی کاٹ کر اُنہیں روک دیا۔ (تفسیر ابن کثیر: ۵۵۳/۲) اَب جس گروہ کے اَفراد کا ہی پبلک و رعایا بلکہ ریاستی مشینری کو علم نہیں تھا، اُس گروہ کے لیے الگ سے قانون کیا ہوگا؟ اور اُس کے حوالہ سے کسی دوسرے گروہ کے لیے قانونی سہولت و رعایت کا مطالبہ چہ معنی دارد؟

(۳)......ریاستِ مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلموں کے حوالے سے یہ نکتہ بھی بڑا اَہم ہے کہ اُن کو ریاست کے اندر اپنا الگ سے عبادت خانہ بنانے کی اِجازت نہیں تھی۔ اُنہوں نے مسجد کے نام پر تفریق بین المسلمین کا جو مورچہ بنایا تھا، ریاست نے اُسے ''مسجد ضرار'' قرار دے کر منہدم و مسمار کر دیا، وہ کلمہ گو غیر مسلم مسلمانوں کی ہی مساجد میں عبادت کر سکتے تھے، وہ وہیں نمازیں پڑھتے تھے اور وہیں وعظ و نصیحت کی مجلسوں میں شریک ہوتے تھے۔ اَب اگر علامہ راشدی کا مراعاتی ایجنڈہ یا تجزیہ قبول کر لیا جائے تو ایک طرف ریاست کو قادیانی گروہ کے تمام عبادت خانے مسمار کرنا ہوں گے اور دوسری طرف مسلمانوں کو اپنی مساجد کے دروازے قادیانیوں کے لیے کھولنا ہوں گے، کیا یہ ممکن ہو سکے گا؟

(۴)......ریاستِ مدینہ کے اُن کلمہ گو غیر مسلموں کے بارہ میں تمام اہل علم و تحقیق کا اجماع و اتفاق ہے کہ اُن کے کفر پر ''نفاق'' کا فتویٰ دیا گیا، کیونکہ وہ نزول وحی کا زمانہ تھا، نظام شریعت قانون سازی کے مراحل سے گزر رہا تھا، حجۃ الوداع کے موقع پر تکمیل دین کی بشارت نازل ہوئی، اِس لیے اُن کلمہ گو غیر مسلموں کو الگ گروہ قرار دے کر اُس کے بارہ میں کوئی حتمی فیصلہ نہیں دیا گیا۔ البتہ عہد نبوی کے بعد اُن جیسا نفاق بالاجماع الحاد و زندقہ اور کفر ہے۔ اِس لیے بعد کے کسی الحاد و زندقہ کو ان کے نفاق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے۔ (تفسیر ابن کثیر: ۹۷/۱، معارف القرآن: ۱۲۶/۱) جب بعد کے کسی الحاد و زندقہ کو عہد نبوی کے نفاق پر قیاس کرنا ہی غلط ہے تو پھر کسی ملحد و زندیق گروہ کے لیے اُن جیسی مراعات کا سوال کرنا ہی نا قابل فہم ہے۔[1]

(۵)......باقی رہی بات علامہ راشدی کی اُس تحریری وضاحت کی، جو اُنہوں نے اپنے کالم پر

---

[1] منافقین اور قادیانیوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ: منافقین نے اپنے کفر کو چھپایا۔ اور نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی اور کو نبی ماننے کا اقرار کیا اور نہ ہی قطعیات کے خلاف کسی اور کفریہ عقیدے کا ''اِظہار'' کیا۔ اگر قادیانی بھی منافقین کی طریقے پر چلتے اور کسی بھی طرح اپنے کسی کفریہ عقیدے کا اِظہار نہ کرتے تو اُن کا کفر واضح نہ ہوتا۔ تب مولانا زاہد الراشدی کے ''کلمہ گو غیر مسلم'' کے معیار پر پورے اُترتے۔ [اِدارہ]

اُٹھائے گئے ایک سوال کے جواب میں جاری کی ہے کہ: جب تک قادیانیوں کو قانونی طور پر ملحد وزندیق قرار نہیں دیا جاتا، تب تک اُن کے حقوق باقی غیر مسلم اقلیتوں کی طرح ہیں۔

تو میرے خیال میں اس کے لیے تین چیزیں پیشِ نظر رکھنی ضروری ہیں:

......**پہلی** یہ کہ: جب ائمہ اہل سنت کا اِس پر اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ عہد نبوی کے بعد نفاق اعتقادی' نفاق ہے ہی نہیں بلکہ صریح الحاد وزندقہ اور کفر ہے تو پھر اِس کے لیے الگ سے نئی تشریحات کے دروازے کھولنا اِنصاف ودیانت کے خلاف ہے۔

......**دوسری** یہ کہ: قادیانی گروہ ہو یا ایسا ہی کوئی دوسرا اِلحادی گروہ، اُسے ریاستِ مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلموں سے ملانے کی کوشش کرنا حقیقت سے چشم پوشی کے مترادف ہے، کیونکہ ریاست مدینہ کے کلمہ گو غیر مسلم جب کلمہ طیبہ کے اندر ''محمد رسول اللہ'' پڑھتے تھے تو ''سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا'' (ہم نے سن لیا، لیکن مانیں گے نہیں۔) کی نیت اور اِرادہ سے پڑھتے تھے، اُن کے دِل ودماغ میں کسی اور نبی کا تصور نہیں ہوتا تھا۔ لیکن علامہ راشدی اچھی طرح جانتے ہیں کہ قادیانی جب ''محمد رسول اللہ'' پڑھتے ہیں تو اُن کے دِل ودِماغ میں ایک دوسرے نبی کا تصور ہوتا ہے، وہ اس کلمہ میں مرزا غلام احمد قادیانی کی نبوت مراد لیتے ہیں۔ حیرت ہے کہ علامہ راشدی نے اتنا بڑا اور اتنا واضح فرق کیسے نظر انداز کر دیا؟

......**تیسری** بات یہ ملحوظ رکھنی ضروری ہے کہ: قادیانیوں کے اقلیتی حقوق کیا ہیں؟ اُن کا تعین ضروری ہے، کیا مسلمانوں کا کلمہ اُن کا حق ہے؟ کیا اپنے عبادت خانہ کو مسجد کا نام دینا اُن کا حق ہے؟ کیا اسلامی شعائر کا اختیار کرنا اُن کا حق ہے؟ کیا غیر مسلم قرار دیئے جانے کے باوجود اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا اُن کا حق ہے؟ کیا قرآن حکیم کو اپنی قادیانی تبلیغ کا ذریعہ بنانا اُن کا حق ہے؟ یقیناً علامہ راشدی اِن تمام چیزوں کو قادیانیوں کا مذہبی حق تسلیم نہیں کریں گے۔ کیونکہ پاکستان کا قانون بھی قادیانیوں کو یہ حق نہیں دیتا۔ اِس لیے اُن کو کسی قدیم وجدید گروہ سے مشابہ قرار دے کر بیانات وتحریرات کے ذریعہ ''کنفیوژن'' پیدا کرنے کے بجائے قادیانی گروہ کے حقوق متعین کرنے پر اگر اپنی انرجی صرف کی جائے تو اِسی میں ملک وقوم کی بہتری ہوگی۔ اور یہی مسلمانوں کا مطالبہ ہے، جسے مغربی' غامدی اور سیکولر دنیا قادیانیوں کی حق تلفی قرار دیتی ہے۔

عبدالحق خان بشیر......مدرسہ حیات النبی، جامع مسجد امام اعظم ابوحنیفہ، گجرات

۱۲/محرم الحرام ۱۴۴۶ھ......19/جولائی 2024ء

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی شعیب احمد [مدرس و مفتی: جامعہ دار التقویٰ، لاہور]

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اور فہم دین کورس

حضرت ڈاکٹر مفتی عبد الواحد صاحب رحمہ اللہ کا ایک بڑا کمال اور اہل علم کے لیے قابل تقلید بات یہ تھی کہ اُنہوں نے اتنے بڑے علمی منصب اور مقام اور نہ صرف مفتی بلکہ مفتیوں کے مفتی اور بڑے درجے کے مفکر و متبحر عالم ہوتے ہوئے اُمت کے عام طبقات کو نہیں بھلایا۔ حضرت رحمہ اللہ نے اُن کی دینی تربیت اور فکری رہنمائی کے لیے شبانہ روز کی محنت سے ایک ایسا جامع ، ٹھوس، آسان اور مفید کورس ترتیب دیا جس سے عصر حاضر کی ایک ایسی ضرورت پوری ہوئی جس کے خلاء کا احساس ہمارے اکابر کو بھی تھا۔ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نور اللہ مرقدہ نے اپنی مختلف تحریروں میں ایک ایسے کورس کی ضرورت کا بڑے اہتمام اور شدت سے اظہار فرمایا تھا۔ چنانچہ ایک جگہ فرماتے ہیں:

> ''ایک صاحب نے عرض کیا کہ: حضرت نے ایک بار فرمایا تھا کہ: آج کل تبحر فی العلوم (یعنی دینی ضروری علوم کی مضبوط واقفیت) قریب قریب فرض عین ہے۔ فرمایا: جی ہاں! وجہ اِس کی یہ ہے کہ پہلے زمانہ میں عام لوگوں میں انقیاد اور بزرگوں پر اعتماد زیادہ ہوتا تھا۔ اُن کی تقلید علم و عمل کے لیے کافی ہوتی تھی۔ اَب یہ نہیں ہو رہا تو پھر کون سی صورت ہے حفاظت دین کی؟ بس حفاظت اِسی میں ہے کہ ہر شخص ضروریات کا درسی عالم ہو، اِس لیے کہ ایسا نہ کرنے میں نہ تو خود دین کو سمجھ سکتے ہیں اور سمجھانے پر اعتماد کرنے سے عار ہے، تو اَب دین کی حفاظت کی واحد صورت یہی ہے کہ ہر شخص اِس قدر علم دین حاصل کرے کہ جس سے دین کو سمجھ سکے، ورنہ آگے چل کر اندیشہ ہے گمراہی میں پھنس جانے کا۔ اِس وجہ سے میں تبحر فی العلوم کو تقریباً فرض عین کہتا ہوں۔'' (ملفوظات حکیم الامت: ۴/ ۲۸۴)

دوسری جگہ فرمایا:

> ''میں اپنے سب دوستوں کو خصوصاً اور سب مسلمانوں کو عموماً بہت تاکید کے ساتھ کہتا ہوں کہ علم دین کا خود سیکھنا اور اولاد کو تعلیم کرانا ہر شخص پر فرض عین ہے، خواہ بذریعہ کتاب (ہو) یا بذریعہ صحبت (یعنی علماء کی مجلس میں معتد بہ وقت گذار کر) بجز اِس کے کوئی صورت نہیں کہ فتن دینیہ (یعنی دین کے رنگ میں آنے والے فتنوں) سے حفاظت ہو سکے جن کی آجکل بہت کثرت ہے۔ اِس میں ہرگز غفلت اور کوتاہی نہ کریں۔'' (اشرف السوانح: ۴/ ۹۶)

قابل لحاظ بات یہ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ کا یہ احساس اُس زمانے کی بات تھی جب

معلومات کا زمانہ (Information Age) نہ تھا اور معاشرے پر دین اور شرافت کی گرفت مضبوط تھی، اطاعت وانقیاد بھی آج کے مقابلے میں کافی زیادہ تھا۔ اَب اِس ضرورت میں کتنا اضافہ ہوگیا ہے، اِس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے ایک تحریر میں اِس کورس کے خدوخال (یعنی آوٹ لائن) بھی تقریباً واضح فرمادی۔ فرماتے ہیں:

''ہم نے (بالفرض) مانا کہ جدید تعلیم ضروری ہے مگر تم اِس تعلیم جدید کو اِس طریقہ پر حاصل کرو کہ اِس سے پہلے عقائد اور احکام کا علم حاصل کرلو، لیکن یہ بات یاد رہے کہ اِن دینیات (یعنی دینی علوم) کے حاصل کرنے کے لئے وہ مختصر کورس کافی نہیں جس میں راہِ نجات وغیرہ دوچار مختصر کتابیں ہیں، بلکہ ایسا کورس تجویز کرنا چاہیے جس سے عقائد واحکام بصیرت کے ساتھ معلوم ہوں اور کچھ اسرار وحکم بھی بتلائے جائیں تاکہ بالاجمال پڑھنے والوں کو معلوم ہوجائے کہ ہمارے گھر میں اسرار وحکم بھی ہیں، مصالح عقلیہ کی بھی رعایت ہے اور تمدن وسیاست بھی کامل ہے۔ اجمالاً اتنا معلوم ہوجانا ضروری ہے تاکہ جدید تعلیم سے شبہات پیدا نہ ہوں۔

خلاصہ یہ کہ دینیات کورس علماء سے پوچھ کر مقرر کیا جائے تاکہ وہ ایسا کورس مقرر کریں جس سے شریعت کی عظمت قلب میں جم جائے اور عقائد اسلامیہ ایسے راسخ ہوجائیں کہ پہاڑ کے ہلانے سے بھی نہیں ہلیں۔'' (خطبات حکیم الامت: ۱۹/۲)

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ایک متبحر فقیہ وماہر مفتی ہونے کے ساتھ ساتھ زمانے کے نبض شناس بھی تھے، کیونکہ حضرت رحمہ اللہ نے خود عصری تعلیمی اداروں میں بھی پڑھا تھا، اِس لیے اُنہوں نے خود بھی اِس ضرورت کا احساس فرمایا۔ چنانچہ ایک جگہ لکھا:

''دین کا ضروری علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ حدیث پاک میں ہے: **عن انس رضی اللہ تعالی عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم. (ابن ماجۃ)** ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اپنی ضرورت کے بقدر) دین کا علم سیکھنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ (خواہ وہ مرد ہو یا عورت)۔

فائدہ: ایک چیز ہے: کسی ضرورت پڑنے پر کسی عالم سے کوئی مسئلہ پوچھنا، یہ بھی اپنی جگہ ضروری ہے۔ دوسری چیز ہے: مستقل طور پر دین کے اُصول ومسائل کا اتنا علم سیکھنا کہ جس سے آدمی دین کے عام اَحکام کو معلوم کرلے اور اپنے متعلقین کے دین کو شیطان کے مکروفریب اور گمراہ لوگوں کے شکوک وشبہات سے محفوظ رکھ سکے۔ یہ بھی واجب ہے اور حدیث سے اَصل میں یہی مراد ہے۔ اتنے علم کی مقدار کا دارومدار ہر دَور کے حالات پر ہوگا۔ آج کل اخبارات، رسائل، ٹی وی اور انٹرنیٹ وغیرہ کے ذریعے مختلف قسم کی

گمراہیاں پھیلائی جارہی ہیں، اِس لیے آج کل کی ضرورت: آج سے پچاس سال پہلے کی مقدار سے زیادہ ہے۔"(فہم حدیث: جلداول باب اول)

کورس کے مشمولات

مندرجہ بالا مقاصد اورضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے ترتیب دیا ہوا یہ کورس درج ذیل کتابوں پر مشتمل ہے:

۱-ایک عام درجہ ہے، جو[۱]"مسائل بہشتی زیور"،[۲]"اسلامی عقائد"[۳]اور"اصول دین" تین کتابوں پر مشتمل ہے۔

عام درجے کا: یومیہ ایک گھنٹے کے ساتھ دورانیہ چھ ماہ ہے۔

۲-دوسرا اَعلیٰ درجہ ہے، جس میں "فہم حدیث" کی تین جلدیں اور "فہم قرآن" کی تین جلدیں سولہ (۱۶) پارے تک کا حصہ شامل ہے۔

اس درجے کا دورانیہ ایک سال ہے۔

کورس میں شامل کتب کے فوائد

☆"اصول دین" سے دین فہمی کی بنیادیں معلوم ہوتی ہیں۔اس کے مندرجات میں: مباحث وحی، اُصولِ تفسیر، اُصولِ حدیث، اِجماع، قیاس، اجتہاد وتقلید، اہم فقہی قواعد، سنت وبدعت، اور اُصول ایمان وکفر وغیرہ جیسے قیمتی اَبحاث شامل ہیں۔ معاصر دنیا میں تعلیمی اداروں یا میڈیا کے زہر سے مسموم پریشان ذہن مسلمانوں کی تقریباً ۹۰ ر فیصد اُلجھنیں اِس کتاب سے حل ہو جاتی ہیں۔ حضرت نے بفضل اللہ: مواد ایسی ترتیب سے جمع فرمایا ہے کہ اِشکالات کی جڑیں کٹتی چلی جاتی ہیں اور قاری پوری بصیرت کے ساتھ جمہور اُمت یعنی اہل السنۃ والجماعۃ کے دین فہمی کے اصولوں اور منہج سے مطمئن ہوتا چلا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پڑھی لکھی عوام سے ربط وضبط رکھنے والے بہت سے اہل علم نے اِس کتاب کی دل کھول کر تعریف فرمائی ہے۔

☆"اسلامی عقائد" سے بھی بہت سی اُلجھنیں حل ہوجاتی ہیں، صحیح عقائد اور اُن کے بالمقابل غلط عقائد ونظریات کھل کر سامنے آجاتے ہیں۔ اور ایسا ذہن تیار ہوجاتا ہے کہ الحمدللہ بقول حکیم الامت رحمہ اللہ پہاڑوں کے ہلانے سے نہیں ہلتا، ایسا انسان پھر باطل کا ترنوالہ نہیں بنتا اور اگر پہلے سے ذہن میں کچھ اشکالات ہوں بھی تو وہ کافور ہوجاتے ہیں۔

☆"مسائل بہشتی زیور" عمل کی دنیا سے تعلق رکھتی ہے۔ جس میں عبادات، معاملات، مناکحات اور حلال وحرام کے متعلق احکام کا عمدہ خلاصہ آسان انداز میں ہے۔ فقہاء کی باریک بینیاں اور شریعت کی

اعتدال پر مبنی تعلیم اِس کے سامنے آتی ہے تو مزید رسوخ حاصل ہو جاتا ہے۔ اور شریعت کی حقانیت پر شرح صدر ہوتا چلا جاتا ہے۔

☆ ''فہم حدیث'' میں اس کے سامنے علم کے مزید آفاق روشن ہوتے ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ حدیث ہماری زندگی سے کتنا مضبوط قریبی اور گہرا تعلق رکھتی ہے نیز یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ فقہاء کے اجتہادات خانہ زاد نہیں، اُن کے پیچھے قرآن وحدیث کے دلائل موجود ہیں۔

☆ ''فہم قرآن'' سے قرآن کے اسلوب میں **تَبْشِیْر وِاِنْذَار** (وعدہ، وعیدیں) اور تعلیمات حکمت ملتی ہیں، اِس کورس سے گذرنے کے بعد ایک سمجھ دار قاری کا دینی فہم بنیادی طور سے مکمل ہو جاتا ہے۔

کورس کا دائرہ کار

ایک اصطلاحی عالم درج ذیل تین قسم کے علوم پڑھتا ہے:

۱- علوم عربیہ: جس میں صرف ونحو وبلاغت وغیرہ کے علوم شامل ہیں۔

۲- علوم عقلیہ: جس میں منطق، فلسفہ، ریاضیات وغیرہ جیسے علوم شامل ہیں۔

۳- علوم شرعیہ: جو قرآن، حدیث، فقہ، کلام اور تصوف کے پانچ مضامین پر مشتمل ہیں۔

ان میں سے اول الذکر دو علوم، علوم آلیہ ہیں یعنی ذرائع کا درجہ رکھتے ہیں جبکہ تیسری قسم کے علوم، علوم عالیہ ہیں جو مقاصد میں سے ہیں۔ چنانچہ عالم بننے سے مقصود بھی یہی تیسری قسم کے علوم ہوتے ہیں، مگر عالم کے لیے اِن تیسری قسم کے علوم حاصل کرنے کے لیے پہلے دو علوم ضروری ہیں۔ جبکہ عوام کے لیے موجودہ زمانے میں پہلے دو قسم کے علوم کی ضرورت نہیں اور نہ مفید ہیں۔ عوام کے لیے ضروری ہے کہ اُن کے سامنے علوم عالیہ کا خلاصہ آسان انداز میں پیش کر دیا جائے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے ''فہم دین کورس'' میں یہ کارنامہ سرانجام دے دیا ہے اور علوم شرعیہ کا خلاصہ نکال کر رکھ دیا ہے۔ اتنے مضبوط کورس کی ضرورت اِس زمانے میں حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تحریر سے بھی معلوم ہوگئی۔ نیز یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ ضرورت محض شارٹ کورسز سے پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ شارٹ کورسز بنیادی معلومات فراہم کرتے ہیں گہرے اشکالات کی جڑیں نہیں کاٹتے۔

کورس اور علم کے فضائل

ایک بات یہاں قابل لحاظ ہے کہ حضرت حکیم الامت رحمہ اللہ نے اپنے ''خطبات'' میں اِس بات کو بیان فرمایا ہے کہ: علوم شرعیہ کی تحصیل پر جو فضائل نصوص میں آئے ہیں، مثلاً: فرشتوں کا پر بچھانا اور دعائے مغفرت وغیرہ، اُن کے حصول کے لیے علوم کا عربی میں ہونا ضروری نہیں۔ چنانچہ اگر دین کا مستند علم کسی اور

زبان (مثلاً اُردو) میں بھی ہو تب بھی وہ فضائل حاصل ہو جائیں گے۔

کورس کے فوائد

اِس کورس میں حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ نے صرف علوم کی جمع بندی نہیں کی بلکہ معلومات کو ایسے ترتیب دیا ہے کہ عوام کے علماء سے پوچھے جانے والے ۹۰ رفیصد سوالات، اشکالات اور مسائل کا حل اِس میں موجود ہے۔ اگر علماء اِس کورس کو پڑھائیں گے تو اُن کو بھی بہت علمی فائدہ ہوگا۔ ہمارے علماء عام طور سے دیگر فتنوں اور گمراہ فرقوں کی محنتوں سے شاکی ہوتے ہیں کہ فلاں ایسے ایسے، اتنے اتنے لوگ لے گیا، یہ کر گیا وہ کر گیا مگر اپنا مثبت کام نہیں کرتے۔ حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ اہل علم سے فرماتے تھے:

''اِس زمانے میں سب سے مفید اور مؤثر کام یہ ہے کہ عوام میں جا کر دین کا صحیح فہم اُجاگر کر دو اور خالی الذہن لوگوں کے پاس پہلے پہنچ جاؤ۔''

''فہم دین کورس'' حضرت رحمہ اللہ کا ایک ھمِّ اکبر تھا جس کے لیے بہت فکر مند رہتے تھے، ظاہر ہے اکیلی جان اور دیگر علمی و عملی مصروفیات بھی اور مزاج بھی خالص عالمانہ اور یکسوئی والا، تو جتنا کر سکتے تھے کرتے تھے اور مختلف انداز میں اہل علم کو اِس کورس کی اہمیت وضرورت کی جانب متوجہ فرماتے رہتے تھے، چنانچہ ایک جگہ لکھا:

''پختہ علماء کے لیے ''فہم دین کورس'' کے دونوں درجے: اُن کے اپنے علم کے اعتبار سے شاید عام سی چیز ہوں، لیکن وہ اگر اِس کی طرف اِس اعتبار سے التفات کریں کہ دنیاوی تعلیم یافتہ طبقات کو دین کے علم سے روشناس کرانے کے لیے یہ ضروری بھی ہیں اور معیاری بھی، تو بہت ہی اچھا ہو۔ زنانہ ومردانہ تعلیمی اِدارے اور تجوید وقراءات کے اِدارے بھی اگر اِس مکمل کورس کو اپنی ترتیب میں داخل کر لیں تو بہت مفید رہے۔'' (مقدمہ فہم حدیث)

دوسری جگہ لکھا:

''عوام کے ساتھ ساتھ اہل علم حضرات سے بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اِس نصاب کی درس وتدریس میں دلچسپی لیں اور از خود دلچسپی لے کر لوگوں کو یہ نصاب پڑھائیں اور یہ اُن کی دینی و تبلیغی خدمت کا اہم ذریعہ ہے، یہ تو بڑے حضرات کے کام ہیں جو اللہ تعالی کی توفیق سے ہم نے یکجا کر دیے ہیں۔ اگر ایک گھنٹہ روزانہ لگایا جائے تو ''فہم دین کورس'' چھ مہینے میں پڑھایا جا سکتا ہے اور ''فہم قرآن'' اور ''فہم حدیث'' کو ایک سال میں پڑھایا جا سکتا ہے۔''

ایک جگہ اپنی دلسوزی کا اظہار یوں فرمایا:

''عوام وخواص کے سبھی طبقوں سے ہماری درخواست ہے کہ ایک علمی تحریک سمجھتے ہوئے اِس

تفسیر اور ''فہم دین کورس' کی باقی کتابوں یعنی ''اسلامی عقائد''، ''اُصول دین''، ''مسائل بہشتی زیور'' اور ''فہم حدیث'' کے پڑھنے پڑھانے کو عام کرنے کی کوشش کریں۔ اللہ تعالی سے ہر حال میں دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل سے اسے قبول فرما کر تمام مسلمانوں میں دین کے صحیح فہم کو عام کرنے کا ذریعہ بنا دیں۔ (آمین)''

ایک جگہ اپنی فکر اور کورس کی افادیت کا یوں اظہار فرمایا:

''اہل علم سے درخواست ہے کہ وہ ''فہم دین کورس'' (جو کہ مسائل، اُصول، عقائد، حدیث اور ترجمہ وتفسیر پر مشتمل اسلامیات کا مکمل کورس ہے، اس) کی افادیت کو سمجھیں اور اس کو پھیلانے میں لگیں، خصوصا نوجوان علماء کے لیے یہ علمی تبلیغ کا عمدہ ذریعہ ہے اور خود اُن کو بھی اِس سے علمی ترقی حاصل ہوگی۔ اِن شاءاللہ۔

خواتین کے حلقوں میں اِس کے پڑھنے پڑھانے کی طرف توجہ ہو تو بہت فائدہ کی اُمید ہے۔

لڑکیوں کے مدارس میں خواتین کے لیے دو گھنٹے روزانہ کے حساب سے ایک سال میں یہ پورا کورس پڑھایا جاسکتا ہے۔ (مقدمہ فہم قرآن)

ظاہر ہے کہ اتنی بڑی اپروچ کا آدمی اِس سے زیادہ اہل علم کو کس طرح متوجہ کرے کہ بھائی! یہ خود آپ کے فائدے کی چیز ہے، اِسے لے لو! اِسے سمجھو! کیونکہ دین کا صحیح شعور دراصل دین کی بقا کا ضامن ہے اور اہل علم کی بقا بھی دین کے ساتھ ہے، خدانخواستہ اگر دین کا فہم بدل گیا تو منظرنامہ بدل جائے گا۔ خاکم بدہن پھر ایسا نہ ہو کہ علماء عوام کو اپنی ضرورت باور کرانے کی کوشش کریں اور عوام انہیں زمین کا بوجھ سمجھ کر ہٹانے کی فکر میں لگے ہوں ؎

اند کے پیش تو گفتم وتر سیدم
آرزدہ شوی ورنہ سخن بسیار است

حضرت نے نہ صرف یہ کہ خود تن تنہا مکمل ''فہم دین کورس'' لکھا بلکہ اِس کے پڑھانے کے اُصول بھی وضع فرمائے اور ان کے ساتھ متعدد جگہوں پر اس کے اجراء کی ترتیب بھی قائم فرمائی۔ ذیل میں ہم حضرت کے اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی ایک تحریر سے کورس کی اہمیت اور اصول تدریس نقل کرتے ہیں:

کورس کا تفصیلی تعارف

''فہم دین کورس'' کے درجۂ عام کو ہم عمومی طور پر تمام مردوں اور عورتوں کے لیے ضروری سمجھتے ہیں۔ اِس کے بعض مضامین کو دیکھ کر یہ خیال ہوسکتا ہے کہ اِن کی تو عام لوگوں کو کوئی ضرورت نہیں۔ تو اول تو یہ سمجھنا

چاہیے کہ ہر ہر فرد کے لیے علیحدہ علیحدہ نصاب نہیں بنائے جاسکتے۔ نصاب بنانے میں تمام ہی طبقوں کی رعایت کرنی ضروری ہے۔ علمی ذوق رکھنے والوں کے لیے بھی قابلِ قبول نصاب ہونا چاہیے۔ علاوہ ازیں اَب وہ دَور نہیں جس میں نہ اخبارات ورسائل تھے اور نہ ٹی وی وانٹرنیٹ تھے اور لوگ اپنے مخصوص افکار و عقائد کے دائرہ میں رہتے تھے۔ موجودہ دور میں ہر قسم کے وسائل دستیاب ہیں اور خواہی نخواہی بہت سی باتیں دیکھنے، سننے اور پڑھنے کو ملتی ہیں جن سے آدمی کے ذہن میں غلط یا صحیح تصورات خود بخود قائم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ہم چونکہ مسلمان ہیں لہٰذا قرآن وسنت کے منافی تمام تصورات سے اپنے آپ کو بچانا ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے جب دین کا معتدبہ صحیح علم وفہم حاصل ہو۔

''اسلامی عقائد'' اور ''اُصولِ دین'' میں ہم نے کوئی بات بلادلیل نہیں کی۔ قرآن وحدیث سے دلائل دیے ہیں۔ جو اِشکال پیش آسکتے تھے، اُن کے جواب دیے ہیں۔ مسائل کی کتاب ایک مکمل مسائل کی کتاب ہے جس میں جدید سے جدید مسائل کا ذکر ہے۔ کہیں کہیں اُن کے دلائل کا بھی ذکر ہے لیکن زیادہ تر دلائل ''فہم حدیث'' کی دوسری جلد میں مذکور ہیں۔

''مسائل بہشتی زیور'' کے نام سے یہ خیال نہ کیا جائے کہ یہ بعینہٖ ''بہشتی زیور'' والی کتاب ہے، بلکہ یہ اُس سے بہت مختلف کتاب ہے۔ نام رکھنے کی وجہ یہ ہوئی کہ شروع میں ہمارا خیال یہ تھا کہ ''بہشتی زیور'' کے صرف مسائل کا حصہ لے کر اُس کے ساتھ جدید مسائل کا ضمیمہ لگالیں گے۔ لیکن جب کام شروع کیا تو اِس پر اکتفا ممکن نہ رہا اور وہ ایک علیحدہ اور مستقل کتاب بن گئی۔

''فہم دین کورس'' کے درجۂ اعلیٰ میں قرآن پاک کا لفظی ترجمہ وتفسیر اور حدیث شامل ہیں۔ تفسیر میں ہم نے مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کی مشہور تفسیر ''بیان القرآن'' کو لے کر اس کو آسان کیا اور فوائد کو انتہائی مختصر کیا۔ اِس تفسیر کو اختیار کرنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ اس میں تفسیر رواں ہے، نمبر دے کر حاشیہ آرائی نہیں کی گئی اور دوسرے اِس میں سورت کی آیتوں کا باہمی ربط مذکور ہے۔ سوا پانچ پاروں پر مشتمل پہلی جلد اور گیارہویں پارے تک دوسری جلد چھپ کر بازار میں دستیاب ہیں۔ [بعدازاں تیسری جلد بھی طبع ہوگئی۔ چوتھی جلد جو ۱۷ویں پارے سے لے کر سورہ سبا تک کی تفسیر پر مشتمل ہے، زیرِ طبع ہے۔]

''فہم حدیث'' کی پہلی جلد میں عقائد، اخلاق، شمائل، حقوق اور دیگر ماوراء الطبیعاتی اُمور سے متعلق احادیث کا ذکر ہے، جبکہ دوسری جلد میں عملی اَحکام سے متعلق حدیثیں ہیں۔ جلد کمپوزنگ کے مراحل میں ہے۔ [''فہم حدیث'' کی بھی دوسری اور تیسری جلد مکمل ہوکر عرصہ ہوا طبع ہوچکی ہے اور عام دستیاب ہے۔]

''فہم دین کورس'' کے دونوں درجوں کی کتابیں ''مجلس نشریات اسلام کراچی'' کے جناب فضل ربی

صاحب ندوی نے تبلیغی جذبہ سے شائع کی ہیں اور وہ اس کا اہتمام کرتے ہیں کہ کوئی کتاب نایاب نہ رہے۔

کورس کے پڑھنے پڑھانے کی ترتیب

لاہور میں یہ کورس تقریباً دس گیارہ سال سے پڑھایا جا رہا ہے۔مختلف علماء اپنے اپنے حلقوں میں اِسے پڑھاتے ہیں۔پچھلے تین چار سال سے عورتوں کے بعض حلقوں میں بھی یہ کورس پڑھایا گیا ہے اور پڑھایا جا رہا ہے کچھ عرصہ پہلے ''ضرب مؤمن'' اخبار میں اِس کورس کا تعارف چھپا تو اور شہروں میں بھی اِس کی طرف رجوع ہوا۔غرض پنجاب کے کئی علاقوں میں اِس کو باقاعدہ کورس کے طور پر پڑھانے کا سلسلہ شروع ہے۔ کورس کے شرکاء کی کم از کم پچھتر فیصد حاضریاں ہوں تو جامعہ مدنیہ جدید کی جانب سے اُن کو سند بھی دی جاتی ہے۔کورس کے دوران یا اس کے ختم پر امتحان لینے کی رسم ابھی شروع نہیں کی۔ابھی اس کا موقع نہیں۔

کراچی کے ڈیفنس کے علاقے کے مولانا عبدالستار صاحب نے درجہ عام کی کتابوں سے متعلق معروضی قسم کی ورک بکس بھی تیار کروائی ہیں۔ورک بکس (Work Books) ناگزیر نہیں لیکن اگر کوئی چاہے تو ان سے اپنی دہرائی کر سکتا ہے اور اپنا امتحان لے سکتا ہے۔

بہتر ہے کہ ہفتہ میں چھ دن پڑھائی ہو اور روزانہ ایک گھنٹہ دیں۔اتنا نہ ہو سکے تو ہفتہ میں چار دن تو ضرور دیں۔جو بھی پروگرام طے کریں اس کے لیے مدت کا ٹارگٹ مقرر کریں اور اس مدت کے اندر کورس کو مکمل کرنے کی پوری کوشش کریں۔

ہر طالب علم کے پاس اپنی کتاب ہو۔کتاب کو پڑھیں اور اس کو سمجھیں اور اس کو حوالہ کی کتاب بھی بنائیں۔اس طرح سے پڑھنے والوں کا وقت بھی بچے گا اور غیر ضروری باتوں میں لگنے سے بھی بچیں گے۔

یاد رہے کہ ہماری کسی بھی کتاب سے ہمارا کوئی مالی مفاد وابستہ نہیں ہے۔

کورس پڑھنے پڑھانے کے اصول

خواہ مرد ہوں خواہ عورتیں یہ کورس سب کے لیے یکساں مفید ہے۔کسی بھی اچھے عالم کی مدد سے یہ کورس پڑھا جا سکتا ہے۔

۱-پڑھنے والوں کی علمی و عقلی استعداد کم از کم میٹرک کی سطح کے برابر ہو۔خود میٹرک ہونا کوئی ضروری نہیں۔

۲-استاد سبق کو اچھی طرح سے دیکھنے کے بعد پڑھائے۔

۳-سبق سے متعلق سوال کرنے کی حوصلہ افزائی کی جائے۔

۴-سبق کے دوران غیر متعلقہ باتوں اور اختلافی بحثوں سے پرہیز ہو۔

۵-استاد ناغہ بالکل نہ کرے۔اگر کبھی سخت مجبوری ہو تو اپنا متبادل بھیج دے۔

۶-وقت کی پابندی کا خاص خیال رکھیں۔سبق پانچ منٹ پہلے ختم کر دیں لیکن زائد وقت نہ لیں۔

۷-پڑھنے والے بھی ذمہ داری کا ثبوت دیں۔چند دن آ کر غائب ہو جانا صرف اپنا نقصان نہیں بلکہ یہ دوسروں کی سستی اور حوصلہ شکنی کا باعث بھی بنتا ہے جو قومی اور ملی نقصان ہے۔

۸-سبق سے فارغ ہونے کے بعد کسی بھی قسم کا سوال کرنے کی آزادی ہو۔استاد کو جواب معلوم ہو تو نقد بتا دے ورنہ صاف کہہ دے کہ معلوم کر کے بتاؤں گا۔

چند مزید ہدایات

حضرت ڈاکٹر صاحب رحمہ اللہ ہی سے سنی ہوئی یا مدرسین حضرات کے تجربات میں آئی ہوئی بعض مفید ہدایات بھی شامل کر لی جائیں تو بہت مناسب ہوگا:

۱-کورس پڑھاتے ہوئے نظریات کی تردید کی جائے، مگر فرقوں کا نام نہ لیا جائے۔

۲-سیاسی اختلافات اور تنظیموں کو ذکر نہ کریں نہ مثبت نہ منفی۔

۳-حالات حاضرہ پر تبصرہ نہ ہو کہ یہ تعلیمی مقاصد کے لیے لیے نقصان دہ ہے۔

۴-دین کی: ہر صحیح اور علماء کی سرپرستی میں کی جانے والی کوشش کو قدر کی نگاہ سے دیکھیں اور دکھائیں، مثبت کوششوں کی نفی نہ کریں۔

۵-یہ نہ کہیں کہ: ''اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔'' بلکہ اجتہاد کی حقیقت سمجھا دیں۔

۶-اَحناف کے موقف کو حدیث کی روشنی میں ترجیح دیں مگر دیگر ائمہ کی تردید مدارس کے انداز میں نہ ہو۔

۷-حدیث صحیح اور ضعیف کے فرق کو اچھی طرح کھولیں کہ عوام تو عوام عام اہل علم کے لیے بھی یہ مزلۃ الاقدام ہے۔

۸-تقلید کی براہ راست دعوت نہ دیں بلکہ حقیقت سمجھائیں کہ وہ خود باور کریں کہ اِس کے بغیر چارہ کار نہیں۔

۹-قرآن وسنت کو براہ راست سمجھنے سے نہ روکیں، البتہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مقاصدِ بعثت میں سے قرآن کی تفسیر اور اس کے مطابق تربیت کو خوب باور کروائیں۔اَز خود فہم قرآن میں دَر آنے والی لغزشوں کو مثالوں سے بیان کر سکتے ہیں۔ (شائع شدہ: ماہنامہ دار التقویٰ، اشاعتِ خاص)

............☆☆☆............

مولانا مفتی عبیدالرحمٰن، مردان

گمراہی کیا ہے اور کیوں ہے؟
نصوص کی روشنی میں چند اہم گوشے

تعارف:

اُردو میں ضلال کا لغوی معنی: راستہ گم کرنا ہے، خواہ وہ کوئی بھی راستہ ہو اور اس کے گم کرنے کی کوئی بھی صورت اور کوئی بھی درجہ ہو۔ اصطلاحی طور پر: دین کا سیدھا مطلوب راستہ چھوڑنے کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔

موضوع جاننے کی اہمیت:

''ضلال'' ہدایت کی ضد ہے، ہدایت پر اُس وقت تک برقرار رہا جاسکتا ہے جبکہ ضلال کے راستہ اور اُس کے اسباب واثرات سے اچھی طرح واقفیت ہو، اِس کی ایک اساسی وجہ یہ ہے کہ گمراہی کے مختلف عناصر ودَواعی ہیں اور وہ دواعی ایسے ہیں جن سے بار بار انسان کو واسطہ پڑتا ہے، اَب اگر وہ اسباب اور اُن کی حقیقت وانجام ہی سے کوئی بے خبر ہو تو یہ اطمینان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ بار بار پیش آنے والے اسباب کے باوجود بھی اُن سے محفوظ رہے گا۔ مشہور ہے کہ جو شخص عمومی طور پر پھیلنے والے شر کو نہیں پہچانتا، قریب ہے کہ اُسی کا شکار ہو جائے، اس لیے محتاط لوگوں کا رویہ رہا ہے کہ وہ شر کو بھی اِس لیے پہچاننے کا اہتمام کرتے ہیں تاکہ اُس سے حفاظت کا سامان آسان ہوسکے۔ اِس بنیاد پر گمراہی اور اُس کے اسباب واثرات کو جاننا ضروری ہے۔

گمراہی کا رکن اور فقہی حکم:

کوئی ایسا اعتقاد یا عمل اختیار کرنا جو دینِ اسلام کے راہِ راست کے خلاف ہو۔ جہاں تک گمراہی کا ٹھیٹھ فقہی حکم ہے تو بات یہ ہے کہ دین اسلام کا راہِ راست: دینِ اسلام کی تمام ہدایات وتعلیمات کے مجموعے کا نام ہے، اِن تمام ہدایات وتعلیمات کی نوعیت یکساں نہیں ہے، بعض علمی واعتقادی ہیں جبکہ بعض عملی اور فرعی ہیں، پھر پہلی قسم میں سے بعض قطعی اور یقینی کیفیت کی حامل ہیں جبکہ بعض ظنی اور غیر یقینی ہیں۔ اِسی طرح دوسری قسم کی ہدایات وتعلیمات میں بعض ایسی ہیں جن کا کرنا یا چھوڑنا ضروری ہے اور بعض اِس سے کم درجے

کے احکام ہیں۔

اَب گمراہی کا عنوان تو اِن سب تعلیمات کی مخالفت کو شامل ہے، تاہم اُن میں سے کونسی گمراہی کفر یا فسق کہلائیگی اور کونسی نہیں؟ اِس میں درج ذیل تفصیل مناسب معلوم ہوتی ہے:

الف: اگر کوئی تعلیم وہدایت ایسی ہے جو ہر لحاظ سے قطعی ہو، یعنی ثبوت کے لحاظ سے بھی قطعیت کے ساتھ ثابت ہو اور دلالت کے لحاظ سے بھی قطعی ہو۔ تو ایسی بات کا اِنکار کرنا کفر ہے۔

ب: اگر کوئی تعلیم وہدایت ایسی ہے جو ہر لحاظ سے قطعی نہ ہو بلکہ ظنی ہو۔ یاد رہے کہ یہاں ظنی ہونے سے غالب گمان (اطمینان) کا درجہ مراد ہے، کیونکہ جو بات اِس سے کم تر ظن مثلاً شک یا وہم کے ساتھ ثابت ہو تو اُس کو شریعت کی طرف منسوب کرنا ہی درست نہیں ہے۔ ایسی شرعی بات کا انکار کرنا کفر تو نہیں ہے، تاہم بلا وجہ انکار کرنا موجب فسق ہے، اگر کسی شرعی دلیل کے سہارے اختلاف یا انکار کیا جائے اور کرنیوالا اس کی اہلیت بھی رکھتا ہو تو فسق نہیں ہے۔

یہ تو اعتقادی اور علمی نوعیت کی ہدایات کی مخالفت کرنے کا حکم ہے۔ عملی اور فرعی نوعیت کے مسائل میں بھی یہی تفصیل جاری ہوتی ہے کہ:

الف: جن اعمال کا کرنا شرعاً ضروری ہو، اُن کو بلا عذر چھوڑنا موجب فسق اور گناہ ہے۔ ایسے اعمال میں فرائض، واجبات اور متعدد اُصولیین کے نزدیک سنن مؤکدہ بھی داخل ہیں، بعض فقہائے کرام کے نزدیک سننِ مؤکدہ کا ایک آدھ بار چھوڑنا گناہ نہیں ہے، جبکہ اِس کی عادت نہ بنائی جائے۔

ب: جن اعمال کا کرنا ضروری نہ ہو، اُن کے چھوڑنے کو گناہ یا فسق نہیں کہا جا سکتا۔

ضلال وگمراہی کے اَسباب:

تکوینی سبب تو اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اُس کا اِرادہ ہی ہے، چنانچہ قرآن وحدیث میں متعدد بار اِس مضمون کو دہرایا گیا کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت سے نوازتے ہیں اور جس کو چاہے گمراہ کرتے ہیں۔ تاہم ضلال وگمراہی کے وہ اسباب جو انسان کی قدرت میں داخل ہیں، وہ درج ذیل ہیں:

پہلا سبب: اتباعِ ہویٰ

اپنے خیال وخواہش کی تابعداری کرنا اُن بنیادی اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے انسان گمراہی کا شکار ہو جاتا ہے، بلکہ مزید تأمل سے کام لیا جائے تو دیگر اسبابِ گمراہی کا بھی سرچشمہ یہی اتباع ہَویٰ ہی ظاہر ہوتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے: ”**يَا دَاوُودُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ فَاحْكُمْ**

بَيْنَ النَّاسِ بِالْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعِ الْهَوَى فَيُضِلَّكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنَّ الَّذِينَ يَضِلُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا نَسُوا يَوْمَ الْحِسَابِ. [ص:۲۶] اے داؤد! ہم نے تجھے زمین میں بادشاہ بنایا ہے، پس تم لوگوں میں انصاف سے فیصلہ کیا کرو اور نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے ہٹا دے گی، بیشک جو اللہ کی راہ سے گمراہ ہوتے ہیں اُن کے لیے سخت عذاب ہے، اِس لیے کہ وہ حساب کے دن کو بھول گئے۔'' (ترجمہ حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ)

دوسرا سبب: گناہوں پر اصرار

قرآن کریم میں یہ مضمون بیان فرمایا گیا ہے کہ یہود اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کے مورد ٹھہرے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اور حضرات انبیاء کرام علیہم الصلاۃ والسلام کو ناحق قتل کرتے تھے۔ اَب اِس انکار اور ناحق قتل کرنے کی وجہ کیا تھی؟ اور کیونکر ان جیسی باتوں کی جسارت کرنے لگے، قرآن کریم کے بیان سے واضح ہوتا ہے کہ اُن کے: گناہوں پر گناہ کرنے اور حد سے تجاوز کرتے رہنے کی وجہ سے یہاں تک نوبت جا پہنچی۔ سورۃ بقرہ میں ارشادِ خداوندی ہے:

"وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ. [البقرۃ:۶۱] اور ان پر ذلت اور محتاجی ڈال دی گئی اور اُنہوں نے غضبِ الٰہی کمایا، یہ اِس لیے کہ وہ اللہ کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور نبیوں کو ناحق قتل کرتے تھے، یہ اِس لیے کہ نافرمان تھے اور حد سے بڑھ جاتے تھے۔''

اِس سے واضح ہوا کہ گناہوں پر مداومت کرتے رہنا اور شرعی حدود و پابندیوں کو پھلانگنا ایسی نازیبا حرکت ہے جس کا بسا اوقات یہی نتیجہ ہاتھ آتا ہے کہ انسان ایمان واسلام کی نعمت ودولت سے ہی محروم ہو جاتا ہے۔ ایک اور جگہ ارشادِ خداوندی ہے:

''وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ لِمَ تُؤْذُونَنِي وَقَدْ تَعْلَمُونَ أَنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ. [صف:۵] اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ: اے میری قوم! مجھے کیوں ستاتے ہو؟ حالانکہ تم جانتے ہو کہ میں تمہاری طرف اللہ کا رسول ہوں، پس جب وہ پھر گئے تو اللہ نے اُن کے دل پھیر دیئے اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔''

یہ آیت کریمہ بھی یہود کے بارے میں ہے۔ اِس سے واضح ہوتا ہے کہ عملی طور پر بے دینی اور بے راہ روی اختیار کرنے کے بعد دل بھی ہدایت سے محروم ہو جاتے ہیں، گویا عملی گمراہی پر پختگی سے اعتقادی گمراہی جنم لیتی ہے اور آیت مبارکہ کے آخری جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضابطہ خداوندی ہے۔

تیسرا سبب: دل کی سختی

دل کا سخت ہو جانا بھی گمراہی کا سبب ہے، ذکر و عبادات سے دُوری اور گناہوں پر مداومت واصرار کی وجہ سے دلی سختی وقساوت پیدا ہوتی ہے اوراِس کے نتیجے میں دل ودماغ پر گمراہی کے سیاہ بادل چھا جاتے ہیں۔قرآن کریم میں ہے:" **أَفَمَنْ شَرَحَ اللَّهُ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ فَهُوَ عَلَى نُورٍ مِنْ رَبِّهِ فَوَيْلٌ لِلْقَاسِيَةِ قُلُوبُهُمْ مِنْ ذِكْرِ اللَّهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ.** [الزمر:۲۲] بھلا جس کا سینہ اللہ نے دین اسلام کے لیے کھول دیا ہے، سو وہ اپنے رب کی طرف سے روشنی میں ہے، سو جن لوگوں کے دل اللہ کے ذکر سے متاثر نہیں ہوتے، اُن کے لیے بڑی خرابی ہے، یہ لوگ کھلی گمراہی میں ہیں۔"

سورۃ زخرف میں ہے:"**وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقَيِّضْ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ، وَإِنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُمْ مُهْتَدُونَ ، حَتَّى إِذَا جَائَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَيْنِي وَبَيْنَكَ بُعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ.** [الزخرف:۳۶۔۳۸] اور جو اللہ کی یاد سے غافل ہوتا ہے تو ہم اُس پر ایک شیطان متعین کرتے ہیں، پھر وہ اس کا ساتھی رہتا ہے۔ اور شیاطین آدمیوں کو راستے سے روکتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم راہ راست پر ہیں۔ یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا: اے کاش! میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دُوری ہوتی، پس کیسا برا ساتھی ہے۔"

ہدایت یا گمراہی پر ہونے کی علامت:

دینی احکام وتعلیمات پر دلی اطمینان وانشراح کا ہونا اِس بات کی علامت ہے کہ یہ شخص ہدایت کے راستے پر ہے اور دینی احکام وہدایات کے متعلق دلی تنگی اور بے اطمینانی گمراہی کی نشانی ہے۔قرآن کریم میں ہے:" **فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَاءِ كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ.** [انعام:۱۲۵] ترجمہ: سو جسے اللہ چاہتا ہے کہ ہدایت دے تو اُس کے سینہ کو اسلام کے قبول کرنے کے لیے کھول دیتا ہے اور جس کے متعلق چاہتا ہے کہ گمراہ کرے، اُس کے سینہ کو بے حد تنگ کر دیتا ہے گویا کہ وہ آسمان پر چڑھتا ہے، اِسی طرح اللہ تعالیٰ ایمان نہ لانے والوں پر پھٹکار ڈالتا ہے۔"

ہدایت کا یقینی سبب:

نصوص میں یہ مضمون تاکید کے ساتھ وارد ہوا ہے کہ قرآن وسنت کو مضبوطی کے ساتھ اگر تھاما جائے تو اِس کے ہوتے ہوئے گمراہی نہیں آتی۔ قرآن وسنت کو مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھنا گمراہی سے حفاظت کا

بڑا یقینی راستہ ہے۔ تاہم ضرورت اس بات کی ہے کہ علم وعمل کے ہر میدان میں قرآن وسنت ہی کی تعلیمات کو لیا جائے۔ ''حجۃ الوداع'' کے موقع پر آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: **وقد ترکت فیکم ما لن تضلوا بعده إن اعتصمتم به، کتاب الله.** ترجمہ: میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے جس کو اگر تم پکڑے رہو، تو اس کے بعد کبھی گمراہ نہیں ہوگے، وہ خدا تعالیٰ کی کتاب (قرآن کریم) ہے۔'' [مسلم: ۲/۸۹۰]

''موطا'' میں ہے: **مَالِكٌ؛ أَنَّهُ بَلَغَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صلى الله عليه وسلم قَالَ: ''تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا: كِتَابَ اللهِ وَسُنَّةَ نَبِيِّهِ.** ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ نے اِرشاد فرمایا کہ: میں نے تمہارے اندر دو ایسی چیزیں چھوڑی ہیں کہ جب تم ان دونوں کو تھامے رکھوگے تو ہرگز گمراہ نہیں ہوگے، ایک: اللہ کی کتاب اور دوسری: اُس کے نبی ﷺ کی سنت ہے۔''

[مؤطأ مالک، ت الأعظمی: ۵/۱۳۲۳]

اسی طرح ''سنن ابی داوٗد'' کی روایت ہے: ''**أوصيكم بتقوى الله والسمع والطاعة، وإن عبدا حبشيا، فإنه من يعش منكم بعدی فسيرى اختلافا كثيرا، فعليكم بسنتی وسنة الخلفاء المهديين الراشدين، تمسكوا بها وعضوا عليها بالنواجذ، وإياكم ومحدثات الأمور، فإن كل محدثة بدعة، وكل بدعة ضلالة.**'' [سنن أبی داود: ۴/۲۰۱]

عملی کوتاہی بھی گمراہی ہوسکتی ہے:

متعدد نصوص سے واضح ہوتا ہے کہ عملی طور پر شرعی احکام میں کوتاہی کرنا (یعنی کسی شرعی واجب کو چھوڑنا یا ممنوع شرعی کا ارتکاب کرنا) بھی گمراہی ہے۔ قرآن کریم میں ہے:

'' وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا. [الأحزاب: ۳۶] ترجمہ: اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو لائق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا حکم دے تو انھیں اپنے کام میں اختیار باقی رہے اور جس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ صریح گمراہ ہوا۔''

یہاں خدا ورسول کی نافرمانی کو یقین وتاکید کے ساتھ واضح گمراہی قرار دیا گیا ہے جو علمی وعملی دونوں قسم کی نافرمانیوں کو شامل ہے، شانِ نزول کو دیکھا جائے تو وہ عملی کوتاہی ہی تھی جس کے متعلق یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور حضرات صحابہ کرامؓ نے بروقت اس پر عمل کرنے کا اہتمام فرمایا۔

ہمارے ہاں گمراہی اور ضلالت عام طور پر اعتقادی وعلمی کوتاہی کو ہی کہا جاتا ہے، عملی کوتاہی کو گناہ

وجرم تو سمجھا جاتا ہے لیکن ایسا کرنے والے کو گمراہ نہیں کہا جاتا۔ یہ اصطلاح واطلاق کی بات ہے جس میں فی نفسہ مضائقہ نہیں ہے، تاہم شرط بہر حال یہی ہے کہ اس کی وجہ سے شرعی حدود میں کسی قسم کا کوئی خلل نہ آئے۔ مثال کے طور پر عملی کوتاہی سے بچنے کو کوئی اہمیت ہی نہ دی جائے، اس کو آخرت کے لحاظ سے مضر و مؤثر نہ سمجھا جائے وغیرہ۔ ہمارے ہاں چونکہ عام طور پر ایسا تصور نہیں ہے، اِس لیے اس اصطلاح میں مضائقہ نہیں معلوم ہوتا، گو بہتر یہی ہے کہ الفاظ واصطلاحات میں بھی قرآن وسنت ہی کی خوشہ چینی کی جائے۔

گمراہی کی حسی مثال:

مسند احمد میں ہے: ”**عَنْ عَبْدِ اللهِ، قَالَ: خَطَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، خَطًّا بِيَدِهِ، ثُمَّ قَالَ:" هَذَا سَبِيلُ اللهِ مُسْتَقِيمًا "، قَالَ: ثُمَّ خَطَّ عَنْ يَمِينِهِ، وَشِمَالِهِ، ثُمَّ قَالَ:" هَذِهِ السُّبُلُ، لَيْسَ مِنْهَا سَبِيلٌ إِلَّا عَلَيْهِ شَيْطَانٌ يَدْعُو إِلَيْهِ " ثُمَّ قَرَأَ: (وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ)** . ترجمہ: آپ ﷺ نے اپنے ہاتھ (مبارک) سے ایک خط کھینچا، پھر فرمایا: یہ اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں اور بائیں جانب اور خط کھینچے اور فرمایا: یہ ایسے راستے ہیں جن میں سے ہر راستے پر شیطان ہوتا ہے جو اُس راستے کی طرف لوگوں کو بلاتا رہتا ہے، اس کے بعد آپ ﷺ نے اس آیت مبارکہ کی تلاوت فرمائی: (**وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ**.)

[مسند أحمد ط الرسالة: ۷/۴۳۶]

مسند احمد کی ایک دوسری روایت ہے: ”**عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سَمْعَانَ الْأَنْصَارِيِّ، عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ:" ضَرَبَ اللهُ مَثَلًا صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا، وَعَلَى جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ سُورَانِ، فِيهِمَا أَبْوَابٌ مُفَتَّحَةٌ، وَعَلَى الْأَبْوَابِ سُتُورٌ مُرْخَاةٌ، وَعَلَى بَابِ الصِّرَاطِ دَاعٍ يَقُولُ: أَيُّهَا النَّاسُ، ادْخُلُوا الصِّرَاطَ جَمِيعًا، وَلَا تَتَعَرَّجُوا، وَدَاعٍ يَدْعُو مِنْ فَوْقِ الصِّرَاطِ، فَإِذَا أَرَادَ يَفْتَحُ شَيْئًا مِنْ تِلْكَ الْأَبْوَابِ، قَالَ: وَيْحَكَ لَا تَفْتَحْهُ، فَإِنَّكَ إِنْ تَفْتَحْهُ تَلِجْهُ، وَالصِّرَاطُ الْإِسْلَامُ، وَالسُّورَانِ: حُدُودُ اللهِ، وَالْأَبْوَابُ الْمُفَتَّحَةُ: مَحَارِمُ اللهِ، وَذَلِكَ الدَّاعِي عَلَى رَأْسِ الصِّرَاطِ: كِتَابُ اللهِ، وَالدَّاعِي مِنْ فَوْقَ الصِّرَاطِ: وَاعِظُ اللهِ فِي قَلْبِ كُلِّ مُسْلِمٍ.**“[مسند أحمد ط الرسالة: ۲۹/۱۸۱]

ان دو روایتوں سے معلوم ہوا کہ:

۱: دین حق کی تعلیمات وہدایات کا پورا مجموعہ ”صراطِ مستقیم“ ہے، جو اپنے چلنے والوں کو سیدھا اللہ تعالیٰ کے پاس جا پہنچاتا ہے۔

۲: اس کے اِردگرد گمراہی کے راستے ہیں جو اللہ تعالیٰ تک پہنچنے سے مانع ہیں۔

۳: صراط مستقیم تو ایک ہی راستہ ہے لیکن مقابل راستے بہت ہیں۔

۴: صراط مستقیم کے علاوہ راستوں کی خاصیت اور سب کی قدرِ مشترک یہ ہے کہ وہ حق راستے سے ہٹ کر ہے۔ باقی کس حد تک ہٹے ہوئے ہیں؟ اِس میں وہ باہمی طور پر متفاوت ہیں، کوئی راستہ کچھ تھوڑا سا ہٹا ہے تو دوسرا اُس سے زیادہ اور تیسرا اُس سے زیادہ۔ غرض قدرِ انحراف میں سب برابر نہیں ہیں۔ لہٰذا اِس میں کچھ بعد نہیں ہے کہ کوئی راستہ منحرف ہو لیکن انحراف کے باوجود بھی وہ انجام کار مقصود تک پہنچ جائے اور بعض کا انحراف اِس قدر زیادہ ہو کہ اُس پر پہنچ کر بالکل رخ ہی بدل جاتا ہو، پہلے قسم کا انحراف کا مصداق وہ گمراہی ہے جس کی وجہ سے انسان دائرہ اسلام سے نہیں نکلتا، جس کے دسیوں درجے ہوسکتے ہیں اور دوسری قسم انحراف کا مصداق وہ گمراہی ہے جو کفر ہو۔

۵: گمراہی کے ہر راستے کا ایک داعی ہوتا ہے جو چلنے والوں کو اس کی طرف چلنے کی دعوت دیتا ہے۔

۶: نصوص میں جس ''تفرق'' یا ''افتراق'' کی مذمت کی گئی ہے، اُس سے یہی مراد ہے کہ دینِ حق سے ہٹ کر کوئی راستہ اپنایا جائے، لہٰذا یہ بات بالکل غلط اور غیر معقول ہے کہ تفرق کو ختم کرنے کے لیے کوئی ایسا اتفاقی راستہ تجویز کردیا جائے جو راہ حق کے علاوہ ہو۔ بلکہ جس طرح تفرق مذموم ہے، اِسی طرح ایسا اتفاق بھی مذموم ہی ہے، بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں تو ایسا اتفاق بھی تفرق ہی ہے۔ اگر بالفرض اُس وقت کے سب لوگ اس پر اتفاق بھی کرلیں تو بھی سابقہ ہدایت یافتہ افراد کی بنسبت تو یہ تفرق ہی ہے، نیز تفرّق خود مذموم نہ تھا بلکہ اس کے مذموم ہونے کی بنیادی وجہ یہی تھی کہ اس میں راہِ حق سے انحراف پایا جاتا ہے، جب وہ انحراف اس مزعوم اتفاق کرنے کی صورت میں بھی پایا جاتا ہے تو کیونکر ایسے اتفاق واتحاد کو برداشت کیا جاسکتا ہے!

۷: اسلام وایمان لاتے ہی انسان محفوظ نہیں ہوتا کہ بس ہر طرح سے مطمئن ہوجائے۔ بلکہ یہ راستہ ایسا ہے جہاں قدم قدم پر دونوں جانب گمراہی کے ممکنہ دروازے اور راستے کھلے ہیں۔ اس لیے صرف کلمہ پڑھ کر مطمئن نہیں ہونا چاہیے بلکہ ہر موڑ پر ایمان واسلام کی اس دولت کو محفوظ رکھنے کا اہتمام کرنا اور کرتے رہنا ضروری ہے۔

عبید الرحمٰن، دارالافتاء: جامعہ محمدیہ۔ ۱۱ر شعبان ۴۴ھ

☆......☆......☆......☆

مولانا مفتی محمد طارق محمود [مدرس و معین مفتی: جامعہ عبداللہ بن عمر، لاہور]

تبرکات کی شرعی حیثیت

کسی ذات کے عشق کا لازمی تقاضا ہوتا ہے کہ اُس سے تعلق رکھنے والی چیزوں سے بھی درجہ بدرجہ محبت ہو۔ اِس بنا پر رسول اللہ ﷺ کے عاشقوں کو آپ سے تعلق رکھنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ محبت آپ ﷺ کے احکام سے ہوگی۔ پھر اپنے درجہ میں حضرات صحابہؓ و حضرات اہل بیتؓ اور آپ کے نائبین و وارثین یعنی علما اور اولیا سے حتیٰ کہ اپنے درجہ میں آپ ﷺ کے لباس تک سے محبت ہوگی۔ اِس بارے میں ناواقفیت سے کبھی افراط و تفریط بھی ہو جاتی ہے کبھی اعتقادی کبھی عملی۔ (مأخذہ: تمهيد رسالہ بناء القبة علی نبأ الجبة، معارف اشرفیہ: ۸۳/۲۵) زیرِ نظر مضمون میں اِسی افراط و تفریط کی اصلاح کے لیے تبرکات کی شرعی حیثیت واضح کی گئی ہے۔

موضوعات کی فہرست:

اِس مضمون کے ذیلی موضوعات کی فہرست یہ ہے:

(۱):- صالحین کے آثار سے تبرک کی دلیل شرعی: نبی اکرم ﷺ نے اپنی صاحبزادی کے

کفن کے لیے اپنا تہبند دیا تھا۔(صحیح بخاری: رقم الحدیث: ۱۲۵۳، مختصر) ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ صالحین کے آثار سے تبرک میں اَصل ہے۔ (فتح الباری: ۱۲۹/۳، ۱۳۰)

(۲):- **تبرکات کا درجہ ثبوت معلوم ہونا:** سب سے پہلی بات جو معلوم ہونی چاہیے، وہ یہ ہے کہ: اس تبرک کا ثبوت کس درجے میں ہے، تا کہ اعتقاد اور عمل میں اس کے درجہ ثبوت کی رعایت کی جا سکے۔ ثبوت کی کل ۳/ قسمیں ہیں۔[۱]- یقینی، [۲]- ظنی، [۳]- احتمالی، تیسری قسم میں اگر تکذیب کی علامت ہو تو اس علامت کے درجے تک نفی کا اعتقاد لازم ہے۔ (مأخذہ: تمہید بناء القبۃ: ۸۳/۲۵)

قابل اعتماد تاریخی ثبوت اور سند کے بغیر کسی بال کو رسول اللہ ﷺ کا موئے مبارک قرار دینا سنگین بات اور گناہ عظیم ہے۔ (معارف الحدیث: ۴۰۵/۴)

(۳):- **جن تبرکات نبویہ کی سند موجود ہو، اُن کے ساتھ معاملہ:** جن تبرکات نبویہ کی سند موجود ہو متواتر یا خبر واحد، اُن کا اعتقاد درجہ ثبوت میں اور احترام بھی واجب ہے اور اس میں کمی کرنا گناہ ہے، البتہ اگر کسی کو سند ہی میں کلام ہو، اس کا حکم حدیث مجروح جیسا ہوگا، علماً اور عملاً۔ (مأخذہ: بناء القبۃ: ۹۷/۲۵)

(۴):- **جن تبرکات نبویہ کی سند نہیں، مگر تکذیب کی علامت بھی نہیں:** حضور ﷺ نے بہت مقدار میں اپنے موئے مبارک صحابہ رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمائے ہیں اور ظاہر ہے کہ صحابہ شرقاً وغرباً منتشر ہو گئے تھے، تو اگر کہیں موئے مبارک پایا جائے تو جلدی سے اُس کا انکار نہ کر دیا جائے۔ بلکہ اگر سند صحیح سے اس کا پتہ معلوم ہو جائے تب تو اس کی تعظیم کی جائے ورنہ اگر یقینی دلیل افترا و اختراع کی نہ ہو تو سکوت کیا جائے۔ یعنی نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ مشتبہ امر میں شریعت نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے ......(اہل کتاب کی باتوں سے متعلق) بلا دلیل مستقل کسی ایک جانب کی تعیین دشوار ہے اس لیے توقف واجب ہے۔ یہی حال موئے مبارک کا ہے کہ حضور ﷺ کا بال جہاں بھی ہوگا، اُس کی حفاظت کی گئی ہے۔ اس لیے عقل تقاضا کرتی ہے کہ اُس میں سے کچھ بقایا ضرور موجود ہوگی۔ مگر آج کل جھوٹ کا بھی بازار گرم ہے۔ یہ بھی شبہ ہے کہ طمع دنیا سے کہیں جھوٹ موٹ نہ دعویٰ کیا گیا ہو، اِس لیے اِس کے بارے میں بھی توقف واجب ہے۔ نہ تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ مگر سنا ہے مدینہ شریف میں موئے مبارک بسند معتبر موجود ہے۔

(خطبات حکیم الامت: ۱۹۲/۳۱)

جیسے مختلف فیہ سید کا اگر کوئی ادب کرے تو کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ احکام شرعیہ سے تجاوز نہ کرے۔ اور اگر کوئی اس کی سیادت کی نفی کرے مگر اہانت نہ کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ بس (یہی) اِس جبہ شریف کے متعلق سمجھ لیا جائے۔ میں نے ایک مرتبہ حضرت مولانا گنگوہی کو ایک عریضہ لکھا۔ جس میں سب واقعات

کی کیفیت لکھ کر استفسار کیا۔ حضرت نے جواب میں لکھا کہ: اگر منکرات سے خالی زیارت میسر ہو سکے تو ہر گز دریغ نہ کریں...... محتمل کے ساتھ حقیقت کا سا معاملہ نہ کرنا وہاں ہے جہاں امارات تکذیب کی ہوں، اور جہاں امارات تکذیب نہ ہوں وہاں (حقیقت کا سا معاملہ) کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۳۴۹/۵، ملفوظ: ۳۹۵ ملخصاً)

احتمال کے ساتھ حقیقت کا سا معاملہ کرنا جب کہ وہ احتمال ناشی عن دلیل ہو اگر چہ دلیل ضعیف ہی ہو اور اس میں کوئی محذور شرعی نہ ہو اقرب الی الاحتیاط ہے۔ اس دستور العمل کی تائید حدیث صحیح سے ہوتی ہے۔ (بناء القبة على نبأ الجبة، معارف اشرفیہ: ۹۴/۲۵، ۹۵)

(۵): - شریعت کے احکام کی تعظیم تبرکات سے زیادہ ہے: اگر کسی مقتدا کے توسع کرنے سے عوام کے حدود سے نکلنے کا خطرہ ہو وہاں مقتدا کو توسع سے رکنا ضروری ہے۔ کیونکہ احکام کی حفاظت وحمایت تبرکات کی زیارت ورعایت سے زیادہ ضروری ہے اور عوام کے دین کی حفاظت یہ بھی حکم شرعی ہے۔ دیکھیے سید العاشقین حضرت خواجہ اویس قرنی رحمہ اللہ، باوجود اس کے کہ انھوں نے حضور ﷺ کا زمانہ پایا، مگر والدہ کی خدمت کے سبب: کہ وہ حکم شرعی تھا، کیونکہ وہ محتاج تھیں اور دوسرا کوئی خادم نہ تھا، عمر بھر آتش فراق میں جلتے رہے اور حضور ﷺ کی زیارت نہ کی اور عاشق صادق کا حق ادا کر کے دکھلا دیا۔ جب احکام: زیارتِ ذات پر مقدم ہیں تو زیارت تبرکات پر کیوں مقدم نہ ہوں گے؟ (مأخذہ: بناء القبة، معارف اشرفیہ: ۸۹/۲۵)

آج کل لوگ باوجود اس کے کہ: احکام شرعیہ کی نسبت حضور ﷺ کی طرف: دوسری منسوب چیزوں سے زیادہ ہے، مگر ان کی وقعت نہیں کرتے حالانکہ، وہ سب سے زیادہ قابل احترام ہیں۔

(ملفوظات حکیم الامت: ۲۴۷/۱۰)

(۶): - تبرکات میں غلو کی اصلاح ضروری ہے: ایک روز مولانا محمد اسماعیل شہید رحمہ اللہ وعظ فرما رہے تھے۔ اتنے میں تبرکات نکلے اور لوگ ان کے ساتھ بہت زور شور سے نعت پڑھتے ہوئے آئے۔ مگر مولانا نے التفات نہیں کیا۔ یہ بات لوگوں کو ناگوار ہوئی اور اُنھوں نے یہ کہا کہ: مولانا! آپ کیا کر رہے ہیں؟ اُٹھیے اور جناب رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کو تعظیم دیجیے۔ مولانا اِس پر بھی نہ اُٹھے۔ اِس پر لوگوں کو اور اشتعال آیا اور اُنھوں نے سختی سے کہا۔ اِس پر مولانا نے فرمایا: اول تو یہ تبرکات مصنوعی ہیں، پھر میں اِس وقت بحیثیت نیابت رسول ﷺ فرض تبلیغ انجام دے رہا ہوں، لہٰذا میں نہیں اُٹھ سکتا۔ اِس جواب کو سن کر اور شغب ہوا اور فساد تک نوبت پہنچی۔ مگر چونکہ مولانا کے ساتھ بھی فدائی بہت تھے، اِس لیے فساد نے کوئی خطرناک صورت اختیار نہیں کی اور صرف زبانی ہی تو تو میں میں تک قصہ رہ گیا۔

جب بادشاہ تک مولانا کی شکایتیں پہنچیں تو اُس نے آپ کو بلوایا اور واقعے کی تفصیل دریافت کی۔ مولانا نے پورا واقعہ بیان فرما دیا اور یہ بھی فرمایا کہ میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تبرکات مصنوعی ہیں اور اِن کی تعظیم ہمارے ذمے نہیں ہے۔ اکبر شاہ نے کسی قدر تیز لہجہ میں کہا کہ: عجیب بات ہے کہ آپ اِن کو مصنوعی کہتے ہیں!؟ مولانا نے فرمایا کہ: اِس کا ثبوت یہ ہے کہ سال بھر میں دو دفعہ وہ تبرکات آپ کی زیارت کے لیے آتے ہیں اور آپ ایک دفعہ بھی ان کی زیارت کے لیے تشریف نہیں لے گئے۔ یہ سن کر اکبر شاہ چپ رہ گیا۔ اِس کے بعد مولانا نے کسی سے فرمایا کہ: ذرا قرآن شریف اور بخاری شریف لاؤ۔ آپ نے ان کو ہاتھ میں لے کر واپس کرایا اور یہ تقریر فرمائی کہ: اول تو ان تبرکات میں یہی کلام ہے کہ وہ مصنوعی ہیں یا اصلی؟ لیکن اگر ان کو واقعی بھی مان لیا جائے تب بھی اکثر تبرکات جیسے چادر اور قدم وغیرہ ایسے ہیں کہ ان میں کوئی ذاتی شرف نہیں، بلکہ صرف تعلق سے شرف آیا ہے۔ لیکن قرآن شریف کے کلام اللہ اور بخاری شریف کے کلام رسول ہونے میں شبہ نہیں اور کلام اللہ اور کلام رسول کے جناب رسول اللہ ﷺ کی اوڑھی ہوئی چادر وغیرہ سے اشرف ہونے میں کلام نہیں ہوسکتا۔ مگر باوجود ان سب باتوں کے کلام خدا اور کلام رسول تمہارے سامنے آیا مگر تم لوگوں نے اسے کوئی تعظیم نہ دی بلکہ اسی طرح بیٹھے رہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ لوگ اِن تبرکات کی تعظیم اِن کے شرف کی وجہ سے نہیں کرتے بلکہ محض رسم پرستی ہے اور کچھ نہیں۔ حضرت نے یہ مضمون نہایت بسط اور واضح تقریر میں ادا فرمایا۔ جب مولانا تقریر فرما رہے تھے تو بادشاہ گردن جھکائے ہوئے خاموش بیٹھا تھا اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (ارواح ثلاثہ: ص ۵۶ - ۵۹ ملخصا)

موضع گڑھی خام ضلع مظفر نگر میں ایک واعظ پہنچے۔ وعظ میں بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ کے ایک ملبوس خاص کا لفافہ جو ہر سال بدلا جاتا ہے دیوبند کے مدرسہ میں آیا ہے۔ اور وہ اِس قدر فضیلت کی چیز ہے اُس کی زیارت کرنا چاہیے۔ اسے سن کر تمام گڑھی کے زن و مرد صحیح و مریض سفر دیوبند کے لیے تیار ہو گئے۔ مگر بعض دانش مندوں کی یہ رائے ہوئی کہ اول حضرت مولانا سے اِس کی تحقیق کر لی جائے۔ چنانچہ وہ کئی آدمی تھانہ بھون حاضر ہوئے تو حضرت نے فرمایا کہ: زیارت اُس کی ضرور موجب برکت ہے، مگر اتنا اہتمام کہ سفر کر کے جایا جائے ٹھیک نہیں۔ یہ اِس کا عرس بنانا ہے۔ جب کبھی ایک دو آدمی دیوبند جائیں تو زیارت کرنے میں مضائقہ نہیں۔ بہیئت مجموعی سفر نہ کیا جائے۔ بدعت اِسی طرح شروع ہوا کرتی ہے۔ اگر وہ اصلی ملبوس شریف بھی ہوتا تب بھی اتنا اجتماع خالی اَز فتنہ نہیں۔ اور فرمایا کہ: یہ خرابی ان ناعاقبت اندیش واعظوں کی ہے کہ اپنی گرم بازاری کے لیے آتش دوزخ سے نجات دیتے پھرتے ہیں۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۹/۳۳)

اِس سے معلوم ہوا کہ زیارت تبرکات کے لیے اہتمام کر کے سفر کرنا بھی غلو اور بدعت کا پیش خیمہ ہے۔

(۷):- تبرکات کے اَدب میں اعتدال کی ضرورت: (تبرکات کی) نہ تعظیم میں غلو کیا جائے جس سے شرک وبدعت کی نوبت پہنچ جائے۔ نہ کسی قسم کی اہانت کی جائے۔ ہر حال میں اعتدال ملحوظ رہے، علماً بھی عملاً بھی۔(مأخذہ: بناء القبة على نبأ الجبة، معارف اشرفیہ:۸۷/۲۵)

(۸):- نعل شریف کے نقش سے برکت حاصل کرنے کا حکم: حضرت تھانوی قدس سرہ نے اپنے رسالے: نيل الشفاء بنعل المصطفى میں مخصوص شرائط کے ساتھ اس کی اجازت دی تھی۔ لیکن بعد میں عوام کے مفاسد کی وجہ سے اس سے رجوع فرمالیا تھا۔(دیکھیے: امداد الفتاوی:۳۷۸/۴، كفاية المفتی: ۸۹/۲ - ۹۹) اور بعض حضرات نے تو فرمایا ہے کہ: تصویر کا حکم اَصل والا نہیں ہوتا، لہٰذا اَصل نعل شریف سے برکت حاصل کرنا درست لیکن اُس کے نقشہ یا تصویر سے برکت کا حصول بے اَصل ہے۔(دیکھیے: فتویٰ دار العلوم دیوبند شائع شدہ آپ کے مسائل اور اُن کا حل جلد ۱۰، تحفظ عقائد اہل سنت: ۱۹۷، ۲۴۶-۲۵۵، ۵۷۰، ۶۲۸، ۶۵۷) اِس زمانہ میں عوام کے فہم اور غلو کو دیکھتے ہوئے یہی قول اَحوط ہے۔

(۹):- بزرگوں کے تبرکات : حضرت تھانوی قدس سرہ نے فرمایا: قلب کا اَثر انسان کے کلام اور لباس تک ظاہر ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اہل اللہ کے تبرکات میں اثر ہوتا ہے اور صحبت میں اس سے زیادہ اثر ہوتا ہے۔ اور فرمایا: بزرگوں کی صحبت وزیارت بڑی چیز ہے۔ ان کا تو تصور بھی نافع ہے۔ اور یہی اصل ہے تبرکات کی، کیونکہ ان کی چیزوں کو دیکھ کر ان کی یاد تازہ ہوتی ہے اور ان کی یاد سے دل میں نور آتا ہے۔ حق تعالی کے ساتھ تعلق پیدا ہوتا ہے۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۰۹/۲۳)

اور فرمایا: تبرک کوئی کہاں تک تقسیم کرے؟ عمدہ ترکیب یہ ہے کہ: جو چیز تبرکاً لینی ہو وہ لاکر دے دی اور بعد چندے استعمال کے اس کو لے لے۔ عرب میں یہی طریقہ ہے تبرک کا کہ: اپنے پاس سے کوئی چیز لائے کہ اس کو استعمال کیجیے، پھر ہمیں دیدیجیے...... مجمع میں سے کسی نے حضرت والا سے پوچھا کہ: اپنی چیز لاکر دینے اور واپس لینے سے وہ تبرک تو نہ ہوا جس کو لوگ چاہتے ہیں کہ ''اپنی'' کوئی چیز دیں۔ یہ تو جب ہی ہوسکتا ہے جب اپنی ملک میں سے کوئی چیز دیں۔ فرمایا: وہ تو بہت سہل بات ہے۔ ترکیب یہ ہے کہ وہ چیز ان کی ملک کردے۔(ملفوظات حکیم الامت:۱۶۷/۲۰)

فرمایا: کہنے کی بات نہیں، مجھے بھی شبہ تھا کہ تبرکات میں کیا اثر ہوگا؟ مگر قصہ یہ پیش آیا کہ کرانہ میں ایک بزرگ تھے۔ قوم کے وہ گوجر تھے۔ انھوں نے مجھ کو ایک چوغہ بنا کر بھیجا۔ میری عادت چوغہ پہننے کی نہیں ہے۔ مگر تبرکاً رات کو پہن لیتا تھا۔ کئی دن کے بعد یہ بات معلوم ہوئی کہ جب تک وہ چوغہ بدن پر رہتا وسوسہ

معصیت کا نہ آتا تھا۔ فرمایا: مگر باوجود اِس کے مجھے زیادہ دل چسپی نہیں تبرکات سے۔ حضرت حاجی صاحب کے تبرکات میں نے سب بانٹ دیے۔ میں نے اُن کو اِس طرح نہ رکھا جیسے لوگ رکھتے ہیں۔ اعمال سے بھی زیادہ ان کی تعظیم میں غلو کرتے ہیں۔ اصل چیز اعمال ہیں۔ ان کا اہتمام چاہیے...... حضرت (حاجی صاحب) کے مذاق سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا زیادہ اہتمام پسند نہ تھا۔ ربط قلوب چاہیے۔ اس سے کام ہوتا ہے۔ نہ یہ کہ نماز نہ روزہ۔ بس موئے مبارک لے کر بیٹھ گئے! (ملفوظات حکیم الامت: ۲۰/ ۱۶۷، ۱۶۸)

حضرت تھانوی قدس سرہ کا ارشاد ہے: (مجھے) بزرگوں کے تبرکات کے ساتھ شغف نہیں مثلاً کرتہ وغیرہ۔ یہ خیال ہوتا ہے کہ اِس میں کیا رکھا ہے؟ اصل چیز تو بزرگوں کا اتباع ہے۔ گو برکت کا میں نے خود مشاہدہ بھی کیا ہے، لیکن اہتمام جس کو کہتے ہیں وہ قلب میں نہیں، ویسے برکت کا معتقد ہوں، لیکن قلب اِس کو لیتا نہیں۔ سمجھتا ہوں کہ: ہاں! ایک برکت کی چیز ہے۔ پھر فرمایا: بس میرے قلب میں تبرکات کا وہی درجہ ہے عملاً بھی جو شریعت میں ان کا درجہ ہے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۱۷/ ۲۷۸)

اور فرمایا: حضرت حاجی صاحب اپنے خادموں کے لیے قیمتی قیمتی چیزیں بھیجا کرتے تھے۔ کہیں تو مرید دیتا ہے پیر کو۔ وہاں پیر دیتے تھے مریدوں کو۔ میرے پاس کئی چیزیں تھیں تبرکات کے طریقہ پر جو حضرت نے عطا کی تھیں، مگر میں نے سب تقسیم کر دیں دوستوں کو، تا کہ میرے بعد کوئی ان کی دکان نہ بنا لے۔ (ملفوظات حکیم الامت: ۲۵/ ۶۰)

(۱۰):- تبرکات کے متفرق احکام:

[۱]:- تبرکات سے برکت حاصل کرنے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے کہ بعد موت کے اس کو کفن میں رکھ دیا جائے، مگر اس سے قرآن اور دعاؤں کی کتابوں کا کفن میں رکھنا جائز نہ ہوگا۔

(خطبات حکیم الامت: ۳۱/ ۱۹۴)

[۲]:- جو تبرکات انسانی جزء ہیں جیسے بال، ناخن وغیرہ خواہ انبیاء کے ہوں یا غیر انبیاء کے، وہ کسی کی ملک نہیں، بلکہ وقف ہیں، اور ان کے محافظ و نگران متولی ہیں۔ (مأخذہ: بناء القبۃ: ۲۵/ ۹۶)

[۳]:- تبرکات کی زیارت پر معاوضہ لینا جائز نہیں۔

(مأخذہ: بناء القبة علی نبأ الجبة، معارف اشرفیہ: ۲۵/ ۹۷)

[۴]:- تبرکات کی نذر نہ مانی جائے، کیونکہ نذر عبادت ہے اور عبادت مخلوق کے لیے نہیں ہو سکتی۔ (ایضا: ۲۵/ ۸۷)

[۵]:- کسی مقتدا یا ذی اثر کی: تبرکات کی زیارت میں شرکت سے عوام کسی غلطی میں پڑ جائیں تو وہ

اعلانیہ شرکت سے بچے۔(مأخذہ : بناء القبة علی نبأ الجبة، معارف اشرفیہ:۹۸/۲۵)

[٦]:- تبرکات پر عطر وغیرہ ملنا مضائقہ نہیں، البتہ پھول چڑھانا چونکہ اہل بدعت کا شعار ہو گیا ہے، لہٰذا اچھا نہیں۔(مأخذہ : رسالہ بناء القبة علی نبأ الجبة، معارف اشرفیہ:۹۸/۲۵)

[۷]:- موئے مبارک کی زیارت کے لیے زیارت گاہیں قائم کرنا اور زیارت کے لیے خاص ایام میں مردوں عورتوں کا جمع ہونا اور اس واسطے منت ونذر ماننا جائز نہیں۔ یہ سب اُمور بدعت ہیں۔

(امداد الاحکام:۲۱۲/۱)

[۸]:- بزرگوں کے تبرکات میں ایک عام بے عنوانی ہو رہی ہے کہ ان میں میراث جاری نہیں کرتے۔ حالانکہ وہ کسی کی ملک ہی تھے، اِس لیے کسی ایک کا مثلاً صاحبِ سجادہ کا ان پر قبضہ رکھنا جائز نہیں۔ سندھ میں ایک بزرگ نے جو کہ پیر جھنڈا مشہور ہیں، اپنے اخیر وقت میں اپنے ورثاء کو وصیت کی تھی کہ میرے بعد جو معاملات پیش آئیں تھانہ بھون سے فتویٰ منگا کر عمل کرنا۔ اُن کے یہاں تبرکات بھی تھے۔ میں نے اُن کے متعلق بھی اُن لوگوں کو لکھ دیا تھا کہ ان میں میراث جاری کرنا واجب ہے۔ اور وقف کی تاویل اس لیے نہیں ہوسکتی کہ منقول غیر معتاد الوقف کا وقف جائز نہیں۔ مگر کوئی جواب نہیں آیا۔(ملفوظات حکیم الامت:۵۴/۲۶) فرمایا: اگر ایک ہی وارث قبضہ کر لے تو وہ مغصوب ہو جائیں گے۔ پھر مجھ کو ان کی زیارت کے جواز میں بھی شبہ ہو گیا ہے۔ کیونکہ انتفاع عن المغصوب جائز نہیں۔(ملفوظات حکیم الامت:۲۴۱/۲۶)

[۹]:- ایک رئیس زادہ کا ایک اونی کرتہ دیا ہوا اُن کی رضامندی سے، بعد استعمال (حضرت تھانویؒ نے) واپس فرمایا، تو اِس خیال سے کہ اُن صاحب کی دل شکنی نہ ہو یہ تحریر فرمایا کہ: اس کو بطورِ یادگارِ محبت کے اپنے پاس رکھیے۔ پھر فرمایا کہ: میں نے یہ الفاظ اُن کی خاطر سے لکھ دیے تا کہ اُن کو واپس لینے میں عار نہ ہو۔ اِس پر عرض کیا گیا کہ: وہ تو اس کو تبرک سمجھیں گے۔ فرمایا: وہ جو کچھ چاہیں سمجھیں۔ باقی میں نے اسی لیے ''یادگارِ محبت'' کا لفظ لکھا ہے کہ اپنی چیز کو تبرکاً دینا حرام ہے۔ یہ میں نے فتویٰ کی شکل میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ ہی سے سنا ہے۔ جس کی وجہ یہ فرماتے تھے کہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ اس نے اپنے کو بزرگ سمجھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **فلاتزکوا انفسکم**. اپنی چیز کو تبرکاً دینا کبر ہے اور دعویٰ ہے بزرگی کا جو حرام ہے۔ تبرک کے متعلق تو یہ فتویٰ مولانا سے سنا۔ اور کشف کے متعلق ایک اُمی بزرگ کا یہ قول نظر سے گزرا کہ اگر کسی کو دوسرے کے معائب (عیوب) کا کشف ہونے لگے تو اس کو چاہیے کہ فوراً اپنی توجہ ہٹائے کیونکہ اس میں خوض کرنا یہ بھی تجسس میں داخل ہے جو از روئے آیت: '**لاتجسسوا**' حرام ہے۔

(ملفوظات حکیم الامت:۱۰۴/۱۰)

مولانا مفتی محمد راشد [دارالافتاء: جامع مسجد اشتیاق، ڈسکہ، سیالکوٹ]

توہُّم پرستی کی حقیقت اور اَقسام

توہّم پرستی کسے کہتے ہیں؟

جس چیز کا حقیقت میں کوئی وجود نہ ہو، اس کے وجود کا اعتقاد رکھنا......یا جس چیز میں خاص تاثیر نہ ہو، اُس میں خاص تاثیر کا' اعتقاد رکھنا توہم پرستی کہلاتا ہے۔ بالفاظِ دیگر ''توہم پرستی'' کا مطلب خوف یا جہالت کی وجہ سے غیر عقلی عقائد پر یقین رکھنا ہے۔ جیسے: عوام الناس میں چڑیل اور بھوت وغیرہ کے وجود کا، یا پتھروں وغیرہ کے مؤثر ہونے کا اعتقاد رکھنا مشہور ہے۔

توہم پرستی کے نقصانات

[☆] توہم پرستی حق کے قبول کرنے میں رکاوٹ بن جاتی ہے، وہ اس طرح کہ حق وباطل میں فرق کرنے والی چیز قرآن وحدیث کی تعلیمات ہیں، جبکہ توہم پرست آدمی مادی نفع کی چیزوں کو حق وباطل کے پرکھنے کا معیار بناتا ہے۔ لہٰذا جس چیز میں اسے نفع نظر آتا ہے، وہ اس کے نزدیک حق اور درست، اور جس چیز میں اُسے نقصان محسوس ہوتا ہے، وہ اس کے نزدیک باطل اور غلط ہوتی ہے۔

[☆] توہم پرستی اور بدشگونی جیسے عقائد کے حامل افراد کچھ چیزوں، واقعات یا علامات کو اپنے لیے مبارک گردانے لگ جاتے ہیں اور کچھ کو نقصان دہ یا منحوس۔

[☆] توہم پرست لوگ منفی خیالات کا شکار ہو کر اپنی خوشیاں اور سکون برباد کر لیتے ہیں اور بہت جلد مایوس ہو جاتے ہیں۔

توہم پرستی کی وجوہات:

اگرچہ اسلام میں توہم پرستی یا بدشگونی کی قطعاً گنجائش نہیں مگر اس کے باوجود مسلمانوں کی کثیر تعداد اِس مرض کا شکار نظر آتی ہے۔ مسلمانوں میں توہم پرستی کی: [۱] ایک وجہ تو کم علمی اور دینی اَحکام سے ناواقفیت ہے۔ [۲] اور دوسری بڑی وجہ ایک لمبا زمانہ برصغیر پاک وہند میں مسلمانوں اور ہندوؤں کا ایک ساتھ رہنا تھا، ہندوؤں میں توہم پرستی حد درجہ عام ہے، مثلاً:

[☆] نومولود کو نظرِ بد سے بچانے کے لیے پیشانی پر کاجل (سرمہ) کا نشان لگانا،

[☆] شام کے وقت صفائی (جھاڑو لگانے) سے گریز کرنا کہ اس سے دولت کم ہوگی،

[☆] مرد کی دائیں اور عورت کی بائیں آنکھ پھڑ کنے کو اچھی خبر کی آمد سے مشروط کرنا،

[☆] چارپائی پر بیٹھے ٹانگیں لٹکی ہونے کی حالت میں ہلانے سے دولت کا ہاتھ سے نکل جانا،

[☆] پیاز یا چھری سرہانے رکھنے سے برے خوابوں سے نجات ملنا،

[☆] کالی بلّی کا راستہ کاٹنا،

[☆] ٹوٹے ہوئے آئینے میں چہرہ دیکھنا،

[☆] دودھ کا اُبل کر برتن سے باہر گر جانا

[☆] مغرب کے بعد گھر کی ساری بتیاں جلا دینا، ورنہ بدروحیں آجانے کا ذہن رکھنا،

[☆] خالی قینچی چلانے سے قطع تعلقی ہو جانا،

[☆] کانچ کا ٹوٹنا،

[☆] بلی یا کتے کا رونا نحوست اور بے برکتی کا باعث سمجھا جاتا ہے۔

[☆] منڈیر پر کوا بیٹھا تو مہمان آنے والے ہیں،

[☆] چھینک آئی تو کوئی یاد کر رہا ہے،

[☆] دائیں ہاتھ میں خارش ہے تو دولت آئے گی، بائیں میں ہے تو جائے گی،

[☆] جھاڑو سیدھا کھڑا کرنا یا بعد از عصر جھاڑو دینا نحوست ہے۔ وغیرہ وغیرہ ہندو معاشرے کے عام توہمات ہیں۔

موجودہ سائنسی دور میں بھی، جہاں ہر واقعہ اور نظریے کے دلائل اور حقائق تلاش کیے جاتے ہیں، دنیا کی مادی اعتبار سے ترقی یافتہ اَقوام میں بھی توہم پرستی عام ہے۔ مثلاً:

[☆] ''اسپین'' میں منگل کے دن مہینے کی ۱۳ر تاریخ ہو تو اسے قومی طور پر بدقسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

[☆] ''چائنا'' میں ۸ر کا ہندسہ مبارک اور ۴ر کا ہندسہ منحوس خیال کیا جاتا ہے، حتیٰ کہ کچھ لوگ عمارت کی چوتھی منزل تعمیر نہیں کرتے۔

[☆] ''آئرلینڈ'' میں دلہنیں اپنے لباس یا زیورات میں چھوٹی گھنٹی ضرور استعمال کرتی ہیں جسے خوش قِسمتی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

[☆] ''روس'' میں خالی بالٹی کہیں لے جانے کو بُرا شگون سمجھا جاتا ہے۔

[☆] ''فن لینڈ'' کے لوگ یقین رکھتے ہیں کہ اگر مکڑی کو مارا جائے تو اگلے دن بارش ہوگی۔

[☆] ''پرتگال'' کے لوگ سمجھتے ہیں کہ اُلٹا چلنے سے برائی ہمارا راستہ دیکھ لیتی ہے۔

[☆] ’’مصر‘‘ میں خالی قینچی چلانے کو بُرا سمجھا جاتا ہے کیوں کہ اس سے ہوا میں موجود بد روحیں کٹ جاتی ہیں جس کے باعث ان کو غصہ آجاتا ہے۔

[☆] ’’سوئٹزرلینڈ‘‘ اور ’’نیدرلینڈ‘‘ کے لوگ شادی کے بعد گھر کے باہر صنوبر کا درخت لگاتے ہیں کہ یہ ان کے ازدواجی تعلقات میں مضبوطی ڈالے گا۔

[☆] ’’برطانیہ‘‘ میں چیونٹیوں کی آمد بُرے موسم اور اُن کا قطار میں چلنا بارش ہونے کی علامت سمجھا جاتا ہے۔

[☆] ’’مغرب‘‘ میں سفید مرغی نظر آنا رحمت جب کہ سیاہ مرغی کو شیطان کی روح گمان کیا جاتا ہے۔

توہم پرستی کے عام ہونے میں میڈیا کا کردار:

معاشرے میں جتنی زیادہ توہم پرستی عام ہے اس میں بہت بڑا کردار ہمارے میڈیا یعنی: ذرائع ابلاغ کا ہے، ذرائع ابلاغ (یعنی: میڈیا) میں اخبار، کتاب، رسائل وجرائد اور ٹیلی فون، موبائل، ٹیلیوژن، اور انٹرنیٹ وغیرہ سب کچھ شامل ہیں، میڈیا کے نشر کردہ بہت سے پروگرامز، بچوں کے لیے ڈراؤنے ڈرامے، فلمیں و کارٹونز، اور اسی طرح ڈراؤنی جن بھوتوں کی کہانیاں وغیرہ توہمات کو سچ ہوتا دکھا کر لوگوں کے ذہنوں میں بے معنی خیالات، یعنی: توہمات کو پختہ کرتی ہیں۔ اس کے علاوہ اخبارات، میگزین اور دیگر رسائل میں: ’’آپ کے ستارے کیا کہتے ہیں‘‘، یا ’’آج کا دن کیسا گزرے گا‘‘، وغیرہ جیسی خرافات ایک تسلسل کے ساتھ دیکھنے کو ملتی ہیں، جسے تعلیم یافتہ طبقہ بھی بڑے تیقن اور دِل چسپی سے پڑھتا ہے۔ جب کہ اسلام ہمیں ایسا کچھ پوچھنے کے لیے نجومی کے پاس جانے کی اجازت ہی نہیں دیتا۔ آپ کبھی کچھ وقت نکال کر سرچ کیجیے تو معلوم ہوگا کہ ان آسٹرولوجیکل فن کی بنیاد یونانی عقائد ہیں جو سینکڑوں خیالی فلسفوں پر مبنی ہیں، جن کا اِسلام سے کوئی واسطہ نہیں۔

☆☆............((توہمات سے متعلق شرعی اَحکام))............☆☆

دینِ اسلام میں توہمات کو سختی سے رد کیا گیا ہے، قبل اَز اِسلام بھی لوگ توہم پرستی کا شکار ہوتے تھے۔

[☆] عرب معاشرے کے لوگ بیٹی کی پیدائش کو منحوس سمجھتے تھے،

[☆] گھروں میں دروازے کے بجائے پچھلی دیوار توڑ کر داخل ہونے کو باعثِ برکت سمجھتے تھے۔

[☆] آپ ﷺ کے لختِ جگر حضرت ابراہیمؓ کی وفات کے دن سورج کو گرہن ہوا تھا، کچھ لوگوں

نے آپ ؓ کی وفات کی وجہ سورج گرہن کو سمجھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا خیال کرنے سے منع فرمادیا۔

غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ توہمات پر یقین رکھنا درحقیقت ''تقدیر پر یقین'' کا رد ہے۔ کوئی دن، پتھر، بشر، چرند پرند یا ستارے وغیرہ انسان کے نفع ونقصان کے خالق نہیں ہوسکتے سوائے اللہ تعالیٰ کے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**مَآ اَصَابَکَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَآ اَصَابَکَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِکَ.**﴾ [النساء: ۷۹] ترجمہ: ''تجھے جو بھلائی (یا فائدہ) پہنچے وہ اللہ کی طرف سے ہے، اور تجھے جو برائی (یا نقصان) پہنچے وہ تیرے نفس کی طرف سے (یعنی: تیرے ہی اعمال کی شامت کے سبب) ہے''۔

[☆] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''**مَنْ رَدَّتْهُ الطِّيَرَةُ مِنْ حَاجَةٍ فَقَدْ أَشْرَکَ**''، **قَالُوا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! مَا كَفَّارَةُ ذٰلِکَ؟، قَالَ: ''أَنْ يَقُولَ أَحَدُهُمْ: اَللّٰهُمَّ لَا خَيْرَ إِلَّا خَيْرُکَ وَلَا طَيْرَ إِلَّا طَيْرُکَ، وَلَا إِلٰهَ غَيْرُکَ**''. [المسند لأحمد بن حنبلؒ، الرقم: ۵۰۴۵] مفہومی ترجمہ: بدفالی لینا جس شخص کو اُس کے کسی کام سے روک دے تو اُس نے شرک کیا، لوگوں نے پوچھا: اے اللہ کے رسول! (اگر کوئی ایسا کر بیٹھا ہے) تو اس کا کفارہ کیا ہوگا؟ آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: اس کا کفارہ یہ ہے کہ وہ شخص اس طرح دعا کرے کہ اے اللہ! تیری طرف سے پہنچنے والی خیر ہی اصل خیر ہے، اور تیری طرف سے پہنچنے والی بُرائی ہی اصل بُرا شگون ہے، اور اے اللہ! تیرے سوا ہمارا کوئی معبود نہیں ہے۔

''طیرہ'' بدشگونی اور بدفالی کو کہتے ہیں کہ انسان کسی چیز کے بارے میں بدگمانی اختیار کرے اور اس بدفالی کا تصور لے لے، زمانہ جاہلیت میں اِس کا بڑا رواج تھا، لوگ معمولی باتوں سے بدشگونی لیا کرتے تھے، اگر انہیں کہیں جانا ہوتا تو پرندہ کو اڑاتے اگر وہ دائیں جانب کو اڑتا ہوا جاتا تو اچھا سمجھتے اور اگر وہ بائیں رخ پر اڑتا تو اپنے سفر کرنے کو نامناسب تصور کرکے اُس سفر سے گریز کرتے، اسی طرح تیروں سے فال نکالتے اور خیر وشر کے فیصلے کرتے۔

حدیث مبارکہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر دل میں کوئی برا شگون پیدا ہو تو مذکورہ دعا پڑھ لینی چاہیے۔ علاوہ ازیں ایسی صورت میں درج ذیل دعا بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ ''**اَللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِکَ**''.

[سنن أبي داؤد، الرقم: ۳۹۱۹]

[☆] سرکار دوعالم ﷺ نے بہت ہی صاف اور واضح الفاظ میں اس مہینے اور اس مہینے کے علاوہ پائے جانے والے توہمات اور قیامت تک کے باطل نظریات کی تردید اور نفی فرمادی اور علی الاعلان ارشاد فرمادیا: ''**لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ، وَلَا صَفَرَ**''. [صحيح البخاري، الرقم:

۵۷۰۷] کہ (اللہ تعالی کے حکم کے بغیر) ایک شخص کی بیماری کے دوسرے کو (خود بخود) لگ جانے (کا عقیدہ)، بدشگونی لینا، ایک مخصوص پرندے کی بدشگونی (کا عقیدہ)، اور ماہِ صفر (میں نحوست ہونے کا عقیدہ) سب بے حقیقت باتیں ہیں۔

[☆] حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا: ”**الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، الطِّيَرَةُ شركٌ، الطِّيَرَةُ شِرْكٌ، ومَا مِنَّا إلَّا، وَلَكِنّ اللّٰه يُذْهِبُه بِالتَّوكُّلِ**“. [السنن لأبي داؤد، الرقم: ۳۹۱۵] مفہوم: ”بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے، بدشگونی شرک ہے۔ اور ہم میں سے ہر ایک کو (کوئی نہ کوئی وہم) ہو جاتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ توکل کی برکت سے اسے دور کر دیتا ہے“۔

بدشگونی کے معنی ہیں: بدفالی اور نحوست، اللہ کے علاوہ کسی چیز کو نفع اور نقصان میں مؤثر بالذات سمجھنا شرک ہے چونکہ، زمانہ جاہلیت میں لوگ بعض چیزوں اور اعمال سے بدفالی لیتے تھے اور اس کو نحوست میں مؤثر سمجھتے تھے، اس لیے احادیث میں بدشگونی کو شرک قرار دیا گیا ہے۔

[☆] توہم پرستی جیسے برے خیالات سے بچنے والے کے لیے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں ہے کہ: میری امت کے ۷۰/ہزار لوگ بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جو جھاڑ پھونک نہیں کرواتے، بدشگونی نہیں لیتے اور اپنے رب پر بھروسا کرتے ہیں۔ [**عن ابن عباسؓ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: يَدْخُلُ الجَنَّةَ مِنْ أُمَّتِي سَبْعُونَ أَلْفًا بِغَيْرِ حِسَابٍ، هُمُ الَّذِينَ لاَ يَسْتَرْقُونَ، وَلاَ يَتَطَيَّرُونَ، وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ**“. صحيح البخاري، الرقم: ٦٤٧٢]

توہمات کی اَقسام:

ہمارے معاشرے میں مختلف اَفراد میں مختلف چیزوں کے بارے میں مختلف توہمات ونظریات قائم ہیں، اور اُنہیں حیاتِ انسانی میں بہت ہی زیادہ مؤثر سمجھا جاتا ہے، حالانکہ یہ شریعت کی تعلیمات کے سراسر متصادم ہیں، ہماری زندگیوں میں مؤثر ہونے والی چند چیزوں کی کچھ تفصیل ذکر کی جاتی ہے:

اَسباب کو ہی مؤثر حقیقی سمجھنا:

انسانی طبقات اَسباب کے میدان میں دو انتہاؤں پر ہیں، ایک طبقہ اَسباب کا انکار ہی کر دیتا ہے اور اَسباب اختیار کرنے کو توکل کے منافی سمجھتا ہے، اور دوسرا طبقہ اَسباب کو ہی مؤثر حقیقی سمجھتے ہوئے یہ اعتقاد رکھتا ہے کہ جو کچھ ہوتا ہے اور ہو رہا ہے وہ اَسباب سے ہی ہو رہا ہے، اور اَسباب کے بغیر کچھ ممکن نہیں۔

پہلا طبقہ؛ (جس میں زیادہ تر دین سے وابستہ لوگ ہی نظر آتے ہیں) کم عقلی اور بے علمی کی وجہ سے یہ ذہن رکھتا ہے کہ محنت کرنے اور کمانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اللہ تعالیٰ تو رزق دینے میں ہماری محنت کے محتاج نہیں ہیں، وہ ایسے بھی دینے پر قادر ہیں، لہٰذا ہمیں کچھ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم تو

''اَعمال'' کے ذریعے ہی اللہ سے لیں گے، ''اَسباب'' کے ذریعے نہیں۔

دوسری طرف؛ دوسرا طبقہ جو اَسباب کو ہی مؤثر حقیقی سمجھے ہوئے ہے، اور دین، ایمان ویقین اور اعمال کو کوئی حیثیت ہی نہیں دیتا، اور مادی محنت یعنی ظاہری اَسباب کو ہی اپنی ضروریات کے پورا ہونے اور اپنے مسائل کے حل کرنے میں مؤثر سمجھتا ہے، یہ بھی صراطِ مستقیم پر نہیں ہے، یہ بھی حدود سے تجاوز کرنے والا ہے، کیونکہ ظاہری اَسباب تو کسی بھی چیز کے حاصل ہونے کا فقط ایک ظاہری ذریعہ ہوتے ہیں، جیسے: گھروں میں پانی جن نلوں کے ذریعہ پہنچتا ہے، وہ نل پانی پہنچانے کے صرف راستے ہیں، پانی کے حصول میں اُن کا ذاتی کوئی دخل نہیں ہے۔ بالکل اسی طرح چیزوں کے حصول میں اصل مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ جو کسی ظاہری سبب کی محتاج نہیں ہے، چنانچہ وہ ذات بعض اَوقات بغیر اَسباب کے بھی کسی چیز کے وجود کا مشاہدہ کروادیتی ہے۔ اچھی طرح سمجھ لیجیے کہ: عامۃ الناس کو توکل کے حصول کے لیے ظاہری اَسباب اور تدابیر کو چھوڑنا درست نہیں، بلکہ اسباب کے نتائج کو اسباب پر موقوف نہ سمجھنا اور اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ رکھنا، یہ توکل ہے۔ توکل کے دو درجے ہیں، اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ اسباب کو چھوڑ کر اللہ پر مکمل اعتماد کیا جائے، دوسرا درجہ یہ ہے کہ اسباب کو اختیار کرے، لیکن نفع ونقصان کا یقین اللہ کی ذات پر رہے۔ پہلا درجہ خواص کے لیے اور دوسرا عوام کے لیے ہے۔

اس بحث کے خلاصے کے طور پر اچھی طرح جان لینا چاہیے کہ ایک ہے اَسباب کا ''اختیار کرنا اور اُنہیں استعمال کرنا''۔ اور ایک ہے اُن اَسباب کو ''دل میں اتارنا اور اُن پر ہی یقین رکھنا''۔ پہلی چیز کو اپنانا محمود اور مطلوب ہے اور دوسری چیز کو اپنانا مذموم ہے۔ ہماری محنت کا رُخ یہ ہونا چاہیے کہ ہم اِن اَسباب کی محبت اور یقین کو دل سے نکالیں اور اِس کے برعکس ''یقین'' اللہ تعالیٰ پر رکھیں کہ ہماری ہر طرح کی ضروریات پوری کرنے والی ذات اللہ تعالیٰ کی ہی ذات ہے، وہ چاہے تو اَسباب کے ذریعے ہماری حاجات وضروریات پوری کردے اور چاہے تو اِن اَسباب کے بغیر محض اپنی قدرت سے ہماری ضروریات وحاجات پوری کردے، وہ اِس پر پوری طرح قادر اور خودمختار ہے۔ البتہ! ہم اِس دارالاسباب میں اَسباب اختیار کرنے کے پابند ہیں، تاکہ بوقتِ حاجت وضرورت ہماری نگاہ وتوجہ غیر اللہ کی طرف نہ اُٹھ جائے۔ اِس بات میں تو کوئی شک وشبہ ہے ہی نہیں کہ اللہ رب العزت ہماری محنتوں کے محتاج نہیں ہیں، لیکن کیا شریعت کا مزاج اور منشا بھی یہی ہے کہ ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے بیٹھے رہیں؟! بالخصوص جب کہ، اس ترکِ اسباب کا نتیجہ یہ نکلتا ہو کہ بیوی، بچوں اور والدین کے حقوق تلف ہوتے ہوں اور یہ غیروں کے اَموال کی طرف حرص وہوس کے ساتھ دیکھتا رہے، تو یاد رکھیں! اِس طرح کے لوگوں کو شریعت اِس طرزِ عمل کی تعلیم نہیں دیتی، بلکہ سیرتِ نبوی ﷺ اور سیرتِ صحابہؓ تو حلال طریقے سے کسبِ معاش کی تعلیم دیتی ہے۔

اَسباب کی اَقسام:

اَسباب کی تین قسمیں ہیں: [۱]-قطعی ویقینی اَسباب، [۲]-ظنی اَسباب، [۳]-وہمی اَسباب۔

[۱]-قطعی ویقینی اَسباب: وہ اَسباب ہیں جن پر مسبَّب کا مرتب ہونا یقینی ہے، جیسے بھوک کے وقت کھانا کھانا، پیاس کے وقت پانی پینا، سردی سے تحفظ کے لیے گرم لباس پہننا، اِن اَسباب کا اختیار کرنا فرض ہے اور موت کا خوف ہو تو اِن کا ترک کرنا حرام ہے۔ اِن اَسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں ہے۔ البتہ یہاں بھی یہ واضح ہے کہ اِن اَسباب کو اختیار تو لازمی کریں گے لیکن اِن کے مؤثرِ حقیقی ہونے کا یقین رکھنا جائز نہیں ہوگا۔

[۲]-ظنی اَسباب: جیسے بیماریوں کی دوا دارو، جائز دم اور تعویذ کہ حصول شفاء کے لیے اِنہیں ظنِ غالب کا درجہ حاصل ہوتا ہے، اِن کا حکم یہ ہے کہ ہم جیسے کمزوروں کو اِن اَسباب کا ترک کرنا بھی درست نہیں، البتہ جو حضرات قوتِ ایمانی اور قوتِ توکل میں مضبوط ہوں اُن کے لیے اِن اَسباب کا ترک جائز ہے۔

[۳]- وہمی اَسباب: (یعنی جن کے اختیار کرنے میں شک ہو کہ مفید ہوں گے یا نہیں) حصولِ توکل کے لیے اِن کا ترک کرنا لازمی ہے، گو بعض صورتوں میں اِن اَسباب کا اختیار کرنا جائز ہے، جیسے: مختلف قسم کے کڑے، منکے اور پتھر وغیرہ باندھنا۔

جھاڑ پھونک، دم درود اور تعویذ کا حکم:

واضح رہے کہ جس طرح بیماری کی صورت میں دوائی کا استعمال جائز ہے، اسی طرح تعویذ اور دم بھی جائز ہے اور یہ محض ایک طریقہ علاج ہے، اور اس کے جواز پر اجماع ہے، البتہ تعویز اور دم کے لئے تین شرائط کا پایا جانا لازمی ہے، اگر وہ تین شرائط نہ ہوں تو پھر اس کے ناجائز ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، وہ شرائط یہ ہیں:

[۱]-تعویذات کے الفاظ قرآن کریم، یا احادیث سے لیے گئے ہوں یا اللہ کے اسماء وصفات میں سے ہوں۔

[۲]-عربی زبان میں ہوں اور اگر کسی عجمی زبان میں ہوں تو اس کے الفاظ کے معانی معلوم ہوں۔

[۳]- دم کرنے اور کرانے والا دونوں یہ اعتقاد رکھتے ہوں کہ دم اور تعویذ میں خود کوئی تاثیر نہیں، بلکہ مؤثر حقیقی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، یہ دم اور تعویذ صرف سبب اور ذریعہ ہیں۔ تعویذ کے جواز پر کئی احادیث شاہد ہیں۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب مدظلہ مسلم شریف کی شرح ''تکملۃ فتح الملہم'' [۴/۳۱۷، ۳۱۸] میں

لکھتے ہیں: ’’دم کے بارے میں اصل یہ ہے کہ قرآن کریم، یا اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ، یا صفات مبارکہ پڑھ کر مریض پر دم کیا جائے اور یہ جناب رسول اللہ ﷺ سے کئی احادیث سے ثابت ہے اور تعویذات لکھنا اور اس کو بچوں یا بیماروں کے گلے میں ڈالنا یا لکھ کر پانی میں گھول کر مریض کو پلانا، کئی صحابہ کرام اور تابعین کرام سے ثابت ہے............اور احادیث مبارکہ میں جن دموں اور تعویذات سے منع کیا گیا ہے، وہ مشرکین کے دم تھے، جن میں شیطان سے مدد لیا کرتے تھے۔ اور وہ دم جن میں شرکیہ کلمات نہ ہوں، وہ جائز ہیں اور کئی احادیث سے ثابت ہیں اور یہی حال حرام ’’تمائم‘‘ (وہ ڈوری، جسے مشرکین مؤثر بالذات سمجھ کر بچوں کے گلے میں نظر بد سے بچانے کے لیے ڈالتے تھے) کا ہے اور ان حرام تمائم کا آیات قرآنیہ اور اسماء باری تعالیٰ پر مشتمل تعویذات سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ تعویذات جمہور علمائے کرام کے نزدیک جائز ہیں، بلکہ بعض علمائے کرام نے اس کو مستحب قرار دیا ہے، جب منقول وماثور اذکار پر مشتمل ہوں۔

اس پوری تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ کسی مرض کے لیے تعویذات کا استعمال اَسباب کے درجے میں جائز ہے، بشرطیکہ شرکیہ کلمات پر مشتمل نہ ہو اور اس کو مؤثر بالذات نہ سمجھا جائے۔

مختلف پتھروں کو مؤثر حقیقی سمجھنا:

بعض لوگ مختلف قسم کے پتھروں، جیسے: فیروزہ، زمرد اور یاقوت وغیرہ کو اپنی زندگی پر اثر انداز سمجھتے ہیں، اور ان پتھروں کی انگوٹھی بنا کر پہنتے بھی ہیں، تو شرعاً اس کی کوئی حقیقت نہیں۔

ستاروں اور سیاروں کو مؤثر حقیقی سمجھنا:

بعض لوگ چاند، سورج، ستاروں اور مختلف سیاروں کو اپنی قسمت پر اثر انداز سمجھتے ہیں، اور ان کی گردش کے ذریعے اپنی قسمت کا حال معلوم کرنے کے لیے نجومیوں کے پاس جاتے ہیں۔ یہ بھی درست نہیں۔ کیونکہ علم نجوم قیاسات، اندازے اور تخمینے پر مشتمل ہے، اس میں کوئی یقینی بات نہیں ہوتی، نیز احادیث میں نجومیوں کے پاس جانے سے بھی منع فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **’’مَنْ أَتَى عَرَّافًا فَسَأَلَهُ عَنْ شَيْءٍ، لَمْ تُقْبَلْ لَهُ صَلَاةٌ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً‘‘** [صحیح مسلم، الرقم: ۲۲۳۰] جو شخص عراف (نجومی) کے پاس گیا اور اس سے کسی چیز کے بارے میں پوچھا تو اُس کی چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوں گی۔ مذکورہ تفصیل سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ بعض اخبارات میں: ’’آج کا دن کیسا گزرے گا‘‘۔ ’’یہ ہفتہ کیسا رہے گا۔‘‘ کے عنوان سے جو باتیں لکھی جاتی ہیں، شریعت میں اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ہر طرح کے فتنوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

☆......☆......☆......☆

مولانا مجیب الرحمٰن، ڈیرہ اسماعیل خان قسط: ۱۳ (آخری)

غامدی صاحب کے مزعومہ اجتہادات پر ایک نظر

متفرقات

غامدی صاحب کے نزدیک سود پر قرض لینا جائز ہے:

''غامدی صاحب کے نزدیک سود پر قرض لینا ممنوع نہیں ہے، ان کے نزدیک سود دینا حرام نہیں ہے، البتہ سود لینا صریحاً حرام ہے، بنک کی عام اسکیم کے تحت کار کے لئے قرض لے لیں، یا اجارہ سکیم کے تحت لیز پر کار لے لیں غامدی کے نزدیک دونوں کی اجازت ہے۔'' [ماہنامہ اشراق لاہور، جنوری ۲۰۱۰ء صفحہ: ۶۳]

غامدی صاحب کے اِس اجتہاد کے پیچھے حدیث نبوی پر عدم اعتماد کا نظریہ کام کر رہا ہے، چوں کہ قرآن مجید میں یہ حکم تو صاف ہے کہ :

یٰاَیُّهَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْالَاتَاْكُلُواالرِّبٰوا. اے ایمان والو! سود نہ کھاوٴ!

اس لیے سود ''کھانا'' صریح حرام ہوا، لیکن کہتے ہیں سود ''دینا'' حرام نہیں ہے، کیوں کہ سود دینے کی صریح حرمت قرآن مجید میں نہیں ہے، اس لئے سود دینا جائز ہے، حالاں کہ احادیث میں سود دینے کے بارے میں صریح منع منقول ہے، مثلاً: متعدد صحابہ سے منقول مشہور حدیث ہے

لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ آكِلَ الرِّبٰوا ومُوْكِلَهٗ وكَاتِبَهٗ وَشَاهِدَيْهِ. رسول کریم نے لعنت فرمائی ہے سود کھانے والے اور کھلانے والے (دینے والے) اور اُس کو لکھنے والے (منشی، کلرک) اور اُس کے گواہوں پر۔

اِس حدیث میں سود لینے والے اور دینے والے دونوں پر لعنت آئی ہے، اور یہ اُس کے کبیرہ گناہ ہونے کی علامت ہے، اور کبیرہ گناہ حرام ہوتا ہے، علماء نے کبیرہ گناہ کی تعریف مختلف الفاظ میں کی ہے اور سب تعریفیں درست ہیں۔

(۱)- کبیرہ ہر وہ گناہ ہے جس پر دنیا میں سزا مقرر ہوئی مثلاً زنا، چوری، ڈاکہ، وغیرہ۔

(۲)- ہر وہ گناہ ہے جس پر آخرت میں سزا ہونے کی وعید آئی ہے۔

(۳)- ہر وہ گناہ ہے جس پر لعنت آئی ہے۔

سود دینے والے پر رسول اللہ ﷺ کی طرف سے لعنت کی یہ حدیث (۱) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ [مسند احمد ح ۳۷۲۷، ۳۸۰۹، ابوداؤد ح ۳۳۳۳،] (۲) علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ [مسند احمد ح ۶۳۵، ۶۶۰، ۹۸۰،] (۳) جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ [مسلم ح ۱۰۶، مسند احمد ح ۱۴۲۶۳، شعب الایمان ح ۵۱۱۸،] (۴) ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ [بخاری ح ۵۹۶۲، مسند احمد ح ۱۸۷۶۸، ابن ابی شیبۃ ح ۲۲۰۰۸، شعب الایمان ح ۵۱۱۷، مسند البزار ح ۴۲۲۹،] (۵) جندب رضی اللہ عنہ [المعجم الکبیر للطبرانی ۲/۱۷۱ ح ۱۷۰۱] (۶) ابوہریرہ رضی اللہ عنہ [جامع الاحادیث ح ۴۲۵۵۲ بحوالہ ابن جریر، کنز العمال ۱۰۱۲۷،] سے مروی ہے۔

حضرت جابر کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ سب لوگ گناہ میں برابر ہیں (مسلم ح ۱۰۶، شعب الایمان ح ۵۱۱۸، السنن الصغیر للبیہقی ح ۱۸۷۱، مسند ابی یعلی ح ۱۸۴۹، ۱۹۶۰،)

ایک حدیث میں یوں آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اِن سب پر لعنت فرمائی ہے۔

[عبداللہ بن مسعود، مسند احمد ح ۳۷۲۵، ۳۸۰۹، حلیۃ الاولیاء ۹/۶۱]

اس لیے سود ''دینا'' بھی کبیرہ گناہ اور حرام ہے۔

غامدی صاحب نے میزان میں لکھا ہے کہ "موکلہ" سے مراد سود دینے والا نہیں ہے، بلکہ ''وہ لوگ مراد ہیں جو سود کا کاروبار کرنے والوں کے ایجنٹ کی حیثیت سے ان کے ساتھ یا ان کے قائم کردہ اداروں میں خدمات انجام دیتے ہیں۔'' [میزان: ۵۰۷]

یہ غامدی صاحب کی مجتہدانہ ہیر پھیر ہے۔

والمراد من موکلہ الذی اعطی الربا (سبل السلام ۲/ ۴۹) الذی یطعمہ غیرہ (التوشیخ ۱۴/ ۶۷۱) موکلہ معطیہ (تحفۃ الابرار شرح مصابیح السنۃ ۲/ ۲۲۶) البائع بالربا والمشتری بہ (شرح ابی داؤد لابن ارسلان ۱۲/ ۳۹۵) موکل الربا ان یدفعہ ویعطیہ لغیرہ (منار القاری شرح بخاری ۳/ ۲۶۲) یعنی موکل وہ ہے جو سودی رقم دے، جو سودی رقم سے خریدنے والا ہے۔

متعدد ایسے واقعات منقول ہیں کہ کسی صحابی نے کوئی ایسا معاملہ کیا جس میں وہ ''سود'' دینے والا'' بنتا تھا، حضور ﷺ نے اُس کو ایسے معاملہ سے منع فرمایا آپ ﷺ کی وہ منع سود دینے سے ہے۔ چنانچہ:

حضرت ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک صحابی (سواد بن غزیہ) کو خیبر پر عامل مقرر کیا، وہ (وہاں کی) بہترین عمدہ کھجوریں (خرید کر) لایا، آپ ﷺ نے پوچھا کیا خیبر کی سب کھجوریں ایسی ہیں؟ قسم کھا کر عرض کیا نہیں یا رسول اللہ! (بلکہ) ہم دو صاع دوسری

کھجوریں دے کر اِن عمدہ کھجوروں کا ایک صاع خریدتے ہیں، اور تین صاع دے کر دو صاع خریدتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو، بلکہ عام کھجوریں دراہم کے بدلے بیچ دیا کرو، پھر دراہم کے بدلے یہ عمدہ کھجوریں خرید لیا کرو۔ (مؤطا امام مالک، بخاری ح ۲۲۰۱، ۴۲۴۴، مسلم ح ۱۵۹۳)

دیکھیں اِس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے سواد بن غزیہ رضی اللہ عنہ کو ایک صاع کھجور (زائد مقدار) سود ''دینے'' سے منع فرمایا، اور حضور ﷺ کی منع قابل تعمیل ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے:

وَمَانَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. جس سے تمہیں حضور ﷺ منع کریں اُس سے رُک جاؤ۔

تو سود ''دینے'' سے رُکنا بھی واجب ہوا، اور سود ''دینا'' بھی حرام ہوا کیوں کہ جو کام منع ہو اُس کا کرنا حرام ہے۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے پاس نبی کریم ﷺ کی کھجور ایک مُدتھی، تو میں نے اُس سے عمدہ کھجور پائی تو موجود کھجور کے دو صاع کے بدلے میں عمدہ کھجور کا ایک صاع خرید لیا، اور نبی کریم ﷺ کے پاس لایا، آپ ﷺ نے فرمایا بلال! یہ تجھے کہاں سے حاصل ہوئی؟ میں نے عرض کیا کہ دو صاع کھجور کے بدلے میں ایک صاع یہ کھجور خرید کی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا یہ کھجور واپس کرآؤ، اور ہمارے پاس ہماری کھجور واپس لاؤ۔ (مسند الدارمی ح ۲۵۹۵، شرح معانی الآثار ح ۵۷۷۵)

یہی روایت حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے۔ (مسند ابی یعلی)

یہی روایت حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے اس طرح منقول ہے کہ کھجور کا نگران رسول اللہ ﷺ کے پاس کھجور لایا، آپ ﷺ نے اُن کھجوروں کو اوپرا جانا (کہ یہ ہماری اپنی کھجوریں تو نہیں لگتیں) پوچھا کہ یہ تجھے کہاں سے حاصل ہوئیں؟ عرض کیا ہم نے اپنی کھجوریں دو صاع دے کر یہ ایک صاع خرید کی ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا:

اَرْبَيْتُمْ. تم نے سودی معاملہ کیا ہے۔ (مسند احمد ۱۰۹۹۲)

مسلم میں اس کے الفاظ اس طرح ہیں ''اوہ یہ بالکل سود ہے، ایسا نہ کرو، لیکن جب ایسی کھجوریں خریدنا چاہو تو ردی کھجوریں کسی چیز کے بدلے بیچ کر پھر اُس چیز کے عوض یہ کھجوریں خریدو۔'' [مسلم ح ۱۵۹۴]

اِن روایات میں بھی رسول اللہ ﷺ نے ایک صاع کھجور سود ''دینے'' سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ ایک دن حضور ﷺ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے کہ فرمایا عجوہ کھجور کا دل چاہ رہا ہے، تو میں نے دو صاع پرانی کھجور ایک انصاری کے گھر بھیجی اور اُن کے بدلے مجھے ایک صاع عجوہ کھجور ملی، تو میں نے رسول اللہ ﷺ کو پیش کی آپ ﷺ کو بہت خوش لگا، آپ ﷺ نے ایک کھجور لی پھر رُک گئے اور پوچھا یہ تمہیں کہاں سے حاصل ہوئی؟ میں نے عرض کیا

دوصاع کھجور فلاں شخص کے پاس بھیجی تو اُن کے بدلے ہمارے پاس یہ کھجور لائے ، تو آپ ﷺ نے کھجور ہاتھ سے پھینک دی اور فرمایا واپس کرو، واپس کرو، مجھے اِس کی ضرورت نہیں ہے، کھجور کھجور کے بدلے، گندم گندم کے بدلے، جو جو کے بدلے، سونا سونے کے بدلے اور چاندی چاندی کے بدلے برابر سرابر اور نقدی نقدی ہونے چاہئیں۔ (السنن الکبریٰ للبیہقی: ۴۶۸/۵)

دیکھیں اس حدیث میں بھی سودی چیزوں میں زائد مقدار ''دینے'' سے منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے نقل ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں عام ملی جلی کھجوریں ملتی تھیں، تو ہم ایک صاع لیتے اور دوصاع دیتے تھے، یہ خبر رسول اللہ ﷺ تک پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

لاصاعَی تمر بصاع ولاصاعَی حنطة بصاع ولادرهم بدرهمين (مسلم ح ۱۵۹۵) دوصاع کھجور ایک صاع کے بدلے اور دوصاع گندم ایک صاع کے بدلے اور ایک درہم دو درہم کے بدلے نہ لیا کرو۔

اِس حدیث میں تو صرف کھجور کی صورت میں سود دینا منع نہیں فرمایا بلکہ گندم کی صورت میں بھی اور پیسہ کی صورت میں بھی سود ''دینا'' منع فرمایا ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دينار بدينار ودرهم بدرهم وصاع تمر بصاع تمر وصاع شعير بصاع شعير لا فضل بين شيء من ذالك (السنن المأثورة للشافعي ۲۵۷/۱، شرح معانی الآثار ح ۵۷۷۳) ایک دینار کے بدلے میں ایک دینار، ایک درہم کے بدلے میں ایک درہم، اور ایک صاع کھجور کے بدلے میں ایک صاع کھجور، اور ایک صاع جو کے بدلے میں ایک صاع جو لو، اِن میں سے کسی میں زیادتی نہ ہو۔

اِس حدیث میں بھی سودی چیزوں میں سود ''دینے'' سے منع فرمایا ہے جیسا کہ حدیث کا سباق بتاتا ہے کہ وہ حضرات زائد سودی مقدار ''دیتے'' تھے، جس پر آپ ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

نهانا رسول الله ﷺ ان نبتاع الفضة بالفضة والذهب بالذهب الاسواء بسواء (مسند احمد ح ۲۰۳۹۵) رسول اللہ ﷺ نے ہمیں چاندی چاندی کے بدلے اور سونا سونے کے بدلے بغیر برابر سرابر ہونے کی صورت کے خریدنے سے منع فرمایا۔

دیکھیں یہاں خریدنے والوں کو سودی چیزوں کی صورت میں زائد مقدار ''دے'' کر خریدنے سے

منع فرمایا ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی اس بارے میں یہی فرماتے ہیں مثلاً:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ انہوں نے صحابہ کرام کی بڑی تعداد کے سامنے خطبہ دیا کہ کوئی آدمی دو دینار کے بدلے ایک دینار، اور دو درہم کے بدلے ایک درہم اور دو قفیز کے بدلے ایک قفیز نہ خرید کرے، مجھے تمہارے متعلق سود کا خطرہ ہے، اور جس نے ایسا کیا اور میرے پاس لایا گیا میں اُس کو اُس کی جان و مال میں دردناک سزا دوں گا۔ (شرح معانی الآثار ح ۵۷۸۱)

اس روایت میں بھی سودی زائد مقدار ''دینے'' والوں کو سخت تنبیہ فرمائی گئی اور موقع پر بکثرت صحابہ کرام موجود تھے اور کسی نے نکیر نہیں فرمائی۔ اور یہ سود ''دینے'' کے حرام ہونے پر اجماع صحابہ کی صاف دلیل ہے۔ (امام طحاوی)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

آكِلُ الرِّبَا وَمُوكِلُهُ سَوَاءٌ. سود کھانے والا اور ''کھلانے والا'' دونوں برابر ہیں۔

(مصنف ابن ابی شیبہ، ح: ۲۱۹۹۶)

علاوہ ازیں جب سود لینا حرام ہے تو سود ''دینا'' بھی ضرور حرام ہونا چاہیے کیوں کہ سود دینا سود لینے والوں کی مدد ہے اور گناہ میں اُن کی حوصلہ افزائی ہے، اور جس طرح گناہ کا کام حرام ہے اُس کی حوصلہ افزائی اور مدد بھی حرام ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ . ایک دوسرے سے مدد کرو نیکی میں اور پرہیزگاری میں، اور ایک دوسرے سے مدد نہ کرو گناہ اور ظلم میں۔

اور جب سود دینے والوں کو سود دینے سے روکا جائے گا اور وہ سود نہیں دیں گے تو سود لینے والے بھی نہیں رہیں گے اور اِس طرح یہ گناہ مٹ جائے گا، اگر سود دینے والوں کے لئے سود دینا جائز ہو تو وہ سود دیں گے تو سود لینے والے بھی باقی رہیں گے، گناہ مٹنے کے بجائے بڑھے گا، اور گناہ بڑھانے میں مدد حرام ہے، اس لئے جس طرح سود لینا حرام ہے، سود دینا بھی حرام ہے، **فقط**

استمناء بالید (ہاتھ سے مادہ منویہ خارج کرنے) کا مسئلہ

غامدی صاحب لکھتے ہیں:

''قرآن مجید میں کوئی نص صریح یا قاعدہ کلیہ ایسا نہیں ہے جس کے تحت استمناء بالید کو حرام یا مکروہ

ٹھہرایا جائے، یہی صورت حدیث کی ہے، اس کے ذخائر بھی اس کے متعلق کسی ایسی روایت سے خالی ہیں جو محدثین کے نزدیک قابل قبول ہو، چنانچہ اس معاملہ میں صحیح مسلک وہی ہے جو امام ابن حزم نے اپنی کتاب المحلی (۲۳/۱۳) میں پورے دلائل کے ساتھ پیش فرمایا ہے، پھر سند کے ساتھ بتایا ہے کہ حسن بصری ،عمرو بن دینار، زیاد ابو العلاء، اور مجاہد جیسے بزرگ بھی استمناء بالید کی اباحت کے قائل تھے، جو اس طرح کی چیزیں بالعموم صحابہ کرام ہی سے روایت کرتے ہیں۔'' (اشراق جنوری ۲۰۱۰ء صفحہ ۳)

جواب:

قرآن مجید میں ایسی آیات ہیں جن کے عموم سے مادہ منویہ خارج کرنے کا ہر ایسا طریقہ ناجائز ثابت ہوتا ہے جو طریقہ حلال طریقے سے مادہ خارج کرنے کے علاوہ ہو، مثلاً:

قرآن مجید میں سورہ مؤمنون کی آیت ہے: **والذین هم لفروجهم حفظون ،الاعلی ازواجهم اوماملکت ایمانهم فانهم غیرملومین ،فمن ابتغی وراء ذالک فاولائک هم العادون** ، کامیاب وہ مؤمن ہیں جو اپنی شرم گاہوں کی حفاظت کرتے ہیں اپنی بیویوں اور باندیوں کے سوا سے، کیوں کہ اِن لوگوں پر تو ملامت نہیں کی جائے گی، تو جو اِس کے سوا راہ تلاش کرے ایسے لوگ حد سے نکلنے والے ہیں.

قال محمدبن عبدالحکم سمعتُ حرملة بن عبدالعزیزقال سألتُ مالکاعن الرجل یجلدعُمَیرة فتلاهٰذه الآیة والذین هم لفروجهم حفظون،الاعلی ازواجهم اوماملکت ایمانهم فانهم غیرملومین،فمن ابتغی وراء ذالک فاولائک هم العادون،(احکام القرآن لابن العربی ۳/۵ ۱ ۳) محمد بن عبدالحکم حرملہ بن عبدالعزیز سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے استمناء بالید کرنے والے آدمی کے متعلق پوچھا تو اُنہوں نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔ (جس کا ترجمہ لکھ دیا گیا)

جس کا مطلب یہ ہے کہ استمناء بالید اِس آیت کے مطابق ناجائز ہے، کہ اللہ تعالی نے استمناء کے دو محل بتائے بیویاں اور باندیاں، اِن دو کے سوا کسی اور محل اور طریقہ سے استمناء کو حد سے تجاوز فرمایا، اور حد سے تجاوز حرام ہے، اس لئے استمناء بالید وغیرہ ناجائز ہے۔

اور جب اُس کی حرمت آیات قرآنی سے دلالت یا اقتضاء یا اشارہ کسی طرح سے ثابت ہو تو اُس کے بعد اِس بارے میں مروی نبی کریم ﷺ کے ارشادات اگر کمزور سند کے ساتھ منقول ہوں تو بھی اُن کے ضعف سے حرمت اور کم از کم کراہت پر تو کچھ اثر نہیں پڑتا، اس بارے میں جو روایات آئی ہیں درج ذیل

ہیں:

امام ابوبکر محمد بن حسین آجری بغدادی رحمہ اللہ (م۳۶۰ھ) امام علی بن محمد ابن بشران بغدادی رحمہ اللہ (م۴۱۵ھ) حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: **سبعة لاینظر اللہ الیهم ولا یزکیهم ویقول ادخلوا النار مع الداخلین: الفاعل والمفعول بہ، والناکح یدہ. الحدیث (ذم اللواط ح: ۵۳، امالی ابن بشران الجزء الاول ص ۲۰۶ ح ۴۷۷)** سات آدمیوں پر اللہ تعالیٰ نظر رحمت نہیں فرمائے گا، نہ اُن کو پاک کرے گا، بلکہ اُن کو فرمائے گا کہ جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ تم بھی داخل ہو، ایک وہ مرد جو مرد سے برا فعل کرے، دوسرے وہ جس سے برا فعل کیا جائے، تیسرا وہ جو اپنے ہاتھ سے نکاح کرے۔

اس روایت کی سند حسن درجہ کی ہے، اِس کے راوی

(۱)- حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

(۲)- اُن سے روایت کرنے والے ابوعبدالرحمٰن حبلی عبداللہ بن یزید معافری ہیں، مسلم سنن اربعہ کے اور بخاری کی صحیح کے علاوہ کتابوں کے راوی ہیں، امام ابن معین، ابن حبان، ابن سعد، عجلی وغیرہم اِس کو ثقہ کہتے ہیں، کسی نے جرح نہیں کی (تہذیب التہذیب)

(۳)- معافری سے روایت کرنے والے عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی ہیں، یہ درست ہے کہ کئی محدثین عبدالرحمٰن پر جرح کرتے اور اُن کو ضعیف بتاتے ہیں، لیکن کئی محدثین کی رائے میں وہ ضعیف نہیں ہیں، یا شدید درجہ کے ضعیف نہیں ہیں، امام بخاری اس کا حال قوی بتاتے اور فرماتے ہیں وہ مقارب الحدیث ہے (اُس کی روایت صحت کے قریب ہے) احمد بن صالح اُس میں کلام کرنے والوں پر نکیر کرتے اور فرماتے ہیں وہ ثقہ ہے (تہذیب التہذیب) سحنون کہتے ہیں ثقہ ہے (تہذیب التہذیب) اسحاق بن راہویہ امام یحیی بن سعید قطان سے روایت کرتے ہیں کہ افریقی ثقہ ہے، ابوعبدالرحمٰن کہتے ہیں لابأس بہ ہے (النفح الشذی شرح جامع الترمذی ۱/۴۶۶) ابن عبدالبر فرماتے ہیں کئی علماء وہ بھی ہیں جو عبدالرحمٰن کو ثقہ کہتے ہیں اور اُس کی تعریف کرتے ہیں (التمہید ۳۲/۲۴) یعقوب بن سفیان سے نقل ہے کہ عبدالرحمٰن لابأس بہ ہے (شرح ابن ماجۃ لمغلطائی ۱/۵۲۷) زکریا ساجی نے بھی ثقہ کہا ہے (نیل الاوطار ۲/۳۵۲) امام ذہبی فرماتے ہیں عبدالرحمٰن **الامام القدوۃ شیخ الاسلام** افریقہ کے قاضی عالم محدث ہیں ساتھ حافظہ کمزور ہے (سیر اعلام النبلاء ۶/۴۱۱) حضرت سفیان ثوری اُن کی بہت تعظیم کرتے تھے (سیر اعلام النبلاء) علامہ مغلطائی بن قلیج مصری حنفی (م۷۶۲ھ) فرماتے ہیں عبدالرحمٰن کو ثقہ قرار دینے والوں کا قول ضعیف قرار دینے والوں کے مقابلہ میں راجح

ہے (شرح ابن ماجۃ لمغلطائی ۱/۵۲۸) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں عبدالرحمٰن بن انعم کی حدیث امام ترمذی حسن کہتے ہیں (۷۹۴۳/۱۶)

(۴)۔عبدالرحمٰن بن زیاد سے روایت کرنے والے راوی عبداللہ بن لہیعہ بن عقبہ مصری رحمہ اللہ ہیں یہ بھی حسن درجہ کے راوی ہیں، ابوداؤد امام احمد سے نقل کرتے ہیں کہ مصر میں کثرت حدیث وضبط واتقان میں ابن لہیعہ کی مثل کون ہوسکتا ہے؟ اور فرمایا مصر کا محدث تو بس ابن لہیعہ ہے (میزان الاعتدال: ۴۷۸/۲) ابن وہب اُن سے روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے اللہ کی قسم مجھے سچے اور نیک بندے عبداللہ بن لہیعہ نے بیان کیا، حضرت سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ ابن لہیعہ کے پاس اصول ہیں ہمارے پاس فروع ہیں، احمد بن صالح ابن لہیعہ کی تعریف کرتے اور فرماتے ہیں نیک اور حدیث محفوظ کرنے والوں میں سے ہیں ((تہذیب التہذیب: ۱۳۶/۴) اور کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ ثقہ ہے، بس اُن سے منقول روایات میں جو گڑبڑ ہو اُس کو نہ لیا جائے۔ (تہذیب: ۱۳۸/۴) امام ابن عدی ابن لہیعہ کے ترجمہ کے آخر میں فرماتے ہیں **وحدیثہ حسن** ابن لہیعہ کی حدیث حسن ہے، اور وہ اُن راویوں میں سے ہے جس کی حدیث لکھی جائے (**الکامل رقم: ۹۷۷**) امام ابن شاہین نے ابن لہیعہ کو ثقات میں ذکر کرتے ہوئے احمد بن صالح کے قول کو لیا ہے کہ ابن لہیعہ ثقہ ہے (**تاریخ اسماء الثقات ،رقم ۶۲۵**) اور ابن شاہین کہتے ہیں میرے نزدیک احمد بن صالح کا قول درست ہے کیوں کہ وہ اُس کے شہر کا ہے اور لوگوں میں سے سب سے زیادہ اُس کو پہچاننے والا ہے، اور شعبہ نے بھی ابن لہیعہ سے حدیث روایت کی ہے (**ذکر من اختلف العلماء ونقاد الحدیث فیہ** ص۶۲) عبدالرحمٰن بن مہدی کہتے ہیں میری تمنا ہے کہ کاش میں نے ابن لہیعہ سے پانچ سو احادیث سنی ہوتیں (تاریخ ابن عساکر ۱۴۳/۳۲) امام نووی فرماتے ہیں ابن لہیعہ **الامام البارع** (پرہیزگار) ہے (تہذیب الاسماء ۲۸۳/۱) امام ابوالمعالی محمد بن عبدالرحمٰن (م ۱۱۶۷ھ) ابن لہیعہ کو **الامام الفقیہ الحافظ** کہہ کر ذکر کرتے ہیں (دیوان الاسلام ۱۰۳/۴) علامہ ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن لہیعہ حسن الحدیث راوی ہے، ائمہ نے اُس کی حدیث سے حجت لی ہے (اعلاء السنن ۷۳۴۹/۱۵، ۷۹۴۳/۱۶) علامہ علی بن ابی بکر ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "**ابن لہیعۃ حدیثہ حسن**" ابن لہیعہ کی حدیث حسن ہے (مجمع الزوائد: ۱۰/۴، ۴۸۷، ۶۱۸) علامہ علی بن محمد کنانی (م۹۶۳ھ) فرماتے ہیں ابن لہیعہ کی حدیث حسن ہوتی ہے (تنزیہ الشریعۃ ۱۳۵/۲) ابھی گذرا کہ امام ابن عدی بھی کہتے ہیں کہ ابن لہیعہ کی حدیث حسن ہوتی ہے (الکامل) علامہ سیوطی رحمہ اللہ کہتے ہیں ابن لہیعہ کی حدیث حسن ہوتی ہے (اللالی المصنوعۃ ۲۲۵/۱)

ابن لہیعہ پر کئی باتیں کی گئی ہیں، ایک یہ کہ اُس کی کتابیں جل گئی تھیں، جس کے بعد وہ روایات میں

خلط ملط کا شکار ہو گئے تھے، اِس کا جواب متعدد کتابوں میں یہ ملتا ہے کہ اول تو اہل مصر اُن کی کتابیں جل جانے کی نفی کرتے ہیں، دوم: یہ کہتے ہیں کہ اصل اصول کتابیں نہیں جلی تھیں، بعض (جو بمنزلہ فروع تھیں) جلیں۔

دوسرے یہ کہ وہ مدلس ہے، جواب یہ ہے کہ تدلیس احناف کے ہاں خاص جرح نہیں ہے۔
(اعلاء السنن، قواعد فی علوم الحدیث)

تیسرے یہ کہ وہ ذہنی طور پر کمزوری اور اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، تو بات یہ ہے کہ یہاں ابن لہیعہ سے روایت کرنے والے قتیبہ بن سعید بلخی ہیں، اور قتیبہ اُن راویوں میں سے ہیں جنہوں نے ابن لہیعہ کے اختلاط وتغیر حافظہ سے پہلے روایات سنی ہیں (ذہبی) ابن لہیعہ کی وفات کے وقت بھی اُن کے پاس حاضر رہے، تو جتنا وہ ابن لہیعہ کو جانتے تھے اتنا کوئی نہیں جان سکتا، جب وہ ابن لہیعہ سے روایت بیان کرتے ہیں جب کہ وہ ثقہ ثبت وغیرہ جیسی اونچی صفات سے موصوف ہیں، تو اگر ابن لہیعہ گئے گذرے ہو گئے ہوتے تو وہ کیسے اُن کی روایات آگے بیان کرتے؟

(۴)-ابن لہیعہ سے روایت کرنے والے قتیبہ بن سعید ابو رجاء بلخی مولیٰ ثقیف ہیں، جس کی سب ائمہ نے توثیق کی ہے، کسی نے جرح نہیں کی،

(۵)-قتیبہ سے روایت کرنے والے جعفر بن محمد بن الحسن بن المستفاض فریابی ہیں، ثقہ امین اور حجت ہیں (تاریخ بغداد ۸/۱۰۲)

(۶)-جعفر سے روایت کرنے والے محمد بن الحسین ہیں، یہ امام ابو بکر آجری ہیں، اِن سے متعلق بھی کچھ کہنے کی حاجت نہیں، محدث عظیم ہیں۔

اِس سند میں صرف دو راوی ایسے ہیں جن پر بعض محدثین نے کلام کیا ہے، عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم اور ابن لہیعہ، اوپر کی بحث سے ظاہر ہوا کہ یہ ایسے راوی نہیں ہیں جن کے سبب یہ سند ضعیف یا شدید ضعیف ٹھہرے، بلکہ حسن درجے کی سند ہے، اس لئے اس روایت سے بھی حرمت یا مکروہ تحریمی ثابت ماننا درست ہے، کچھ حرج نہیں ہے۔

دوسری سند:

امام حسن بن عرفہ بن یزید بغدادی (م ۲۵۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حدثنی علی بن ثابت الجزری عن مسلمة بن جعفر عن حسان بن حُمید عن انس بن مالک عن النبی ﷺ قال سبعة لا ینظر اللہ الیھم یوم القیامة ولا یزکیھم

ولا یجمعهم مع العالمين يدخلهم النار اول الداخلين الاان يتوبوا .. ... الناكحُ يَدَهُ الحديث (جزء ابن عرفة ح ۴۱ طبع كويت،شعب الايمان ح ۵۴۷۰، ۴/۳۷۸ طبع بيروت،ذم اللواط للآجری ح ۵۴،طبع قاهره،ذم الهوی ص ۲۰۷،) سات آدمی ہیں جن کی طرف اللہ تعالی نظر رحمت نہیں فرمائیں گے نہ اُن کو پاک فرمائیں گے، نہ اُن کو جہان والوں کے ساتھ جمع فرمائیں گے اللہ تعالی اُن کو پہلے پہل دوزخ میں داخل ہونے والوں میں داخل فرمائے گا مگر یہ کہ توبہ کریں، ایک اپنے ہاتھ سے نکاح کرنے والا ہے۔

اس روایت کو حضور ﷺ سے نقل کرنے والے

(۱)-حضرت انس رضی اللہ عنہ صحابی ہیں۔

(۲)-اُن سے روایت کرنے والا حسان بن حمید ہے، یہ مجہول راوی ہے۔

(۳)-اُن سے روایت کرنے والا مسلمہ بن جعفر بجلی احمسی اعور کوفی (م ۱۸۰ھ) ہے، ابن حبان نے ثقات میں ذکر کیا ہے، اور بخاری نے بھی اِس کا ذکر کیا ہے لیکن کوئی جرح ذکر نہیں کی (لسان المیزان ۶/۳۳) ابن ابی حاتم نے بھی سکوت کیا، جرح نہیں کی (**المعجم الصغير لرواة الامام ابن جرير الطبری ۲/۵۵۰**) امام حاکم نے مستدرک میں اُس سے روایت لی ہے (مستدرک ۲۴۴۲) مسلمہ کے استادوں میں ابوالعجل اسدی، عبدالحمید بن کردید زیادی، حسن بصری، جعفر بن محمد صادق، رکین بن ربیع، حسان بن حمید، ابومعاذ بصری، ارطات بن حازم ہیں۔

شاگردوں میں سوید بن عمرو کلبی، محمد بن عمران بن ابی لیلی، مالک بن اسماعیل، ابوغسان کوفی، معاویہ بن عمرو، علی بن ثابت جزری، خالد بن یزید طبیب، عمرو بن محمد عنقری، جعفر بن ہارون ہیں، اتنے استاذوں اور اتنے زیادہ مقدار شاگردوں والا مستور کہلا سکتا ہے، اور بہت سے محدثین کے نزدیک اتنی تعداد میں جن سے روایت کرنے والے ہوں اِس سے اُس مستور کی عدالت ثابت ہو جاتی ہے اس لئے ابن حبان کا اُس کو ثقات میں درج کرنا درست ہے۔

(۴)-مسلمہ سے روایت کرنے والا علی بن ثابت جزری ابواحمد بغدادی جو ابن عرفہ کا استاذ ہے، ثقہ ہے۔(تہذیب التہذیب رقم ۵۰۰)

(۵)-اور حسن بن عرفہ بن یزید بغدادی (م ۲۵۰ھ کے بعد) امام محدث ثقہ مسند الوقت ہیں۔ (سیر اعلام النبلاء)

تو یہ سند حسان بن حمید کے سبب ضعیف ہے مگر موضوع نہیں ہے، کیوں کہ امام بیہقی رحمہ اللہ بھی اِس

کو اپنی کتاب میں درج کرنے والوں میں سے ہیں، اور اُنہوں نے اِس کا التزام کیا ہے کہ وہ ایسی کوئی روایت کتابوں میں درج نہیں کرتے جو اُن کے علم میں موضوع ہو (اللالی المصنوعۃ ۱/۱۹، ۸۱، ۱۹۲، تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی ۱/۳۳۱)

اور جب مذکورہ آیت کا عموم اِس کی تائید کرتا ہے تو ضعف میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اگر عقلی طور پر سوچیں تو بھی یہ حرکت نہایت قبیح ہے:

اوّل: اس لئے کہ ظلم کی تعریف ہے **وضع الشیء فی غیر محلہ** کسی چیز کو ایسی جگہ رکھنا جو اُس کے رکھنے کی جگہ نہ ہو، اور چوں کہ اللہ تعالی نے استمناء کا یہ محل نہیں بنایا، اس لئے یہ حرکت ظلم کی تعریف میں آتی ہے، جو اپنی جان کے ساتھ ظلم ہے، اور ظلم حرام ہے، تو ظلم کی یہ صورت بھی حرام ہونی چاہیے، مکروہ تحریمی ہونے میں شک نہیں۔

دوم: مثلاً خون جسم کا حصہ ہے، آج کل کی ضروریات کے پیشِ نظر اہلِ علم نے ایک کا خون دوسرے کی جان بچانے کے لئے مریض کو دینے کی اجازت دی ہے، اور اُس کو ماں کے دودھ پر قیاس کیا ہے، تو ظاہر ہے کہ اِس میں دوسرے کا فائدہ ہے کہ جان بچ رہی ہے، اور خون دینے والے کا فائدہ آخرت میں اجر و ثواب کی صورت میں ہے، لیکن یوں ہی خون بہا دینے کی اجازت نہیں، یہ اپنی جان میں بغیر مجبوری لغو بلکہ مُضِر تصرف ہے جس کی شریعت اجازت نہیں دیتی، بلکہ شریعت جان میں ہر لغو و فضول و مضر تصرف سے منع کرتی ہے۔

یہی صورت استمناء میں ہے کہ مخصوص حلال محل میں گرانا جائز بلکہ باعث اجر ہے، اور حرام محل میں گرانا حرام ہے، اور یوں فضول بہا دینا بھی خون کی طرح جرم ہونا چاہیے۔

علامہ ابن حزم ظاہری رحمہ اللہ اگرچہ اِس فعل کو مباح کہتے ہیں مگر یہ بھی کہتے ہیں: **انا نکرھہ لانہ لیس من مکارم الاخلاق (المحلی ۱۲/۴۰۷)** ہم اِس کو مکروہ سمجھتے ہیں کیوں کہ یہ اچھی عادات میں سے نہیں۔

ظاہر ہے کہ جو اچھی عادات میں سے نہیں وہ بری عادات میں سے ہے، تو ایسا کام کیسے مباح ہوسکتا ہے؟

فقط مجیب الرحمٰن عفا اللہ عنہ [۱۶/ دسمبر سنہ ۲۰۱۸ء، ۸/ ربیع الثانی سنہ ۱۴۴۰ھ، وقت عشاء]

(مکمل شد!)

☆......☆......☆......☆

مولانا محمد سفیان عطاء [مدرس: جامعہ رحیمیہ عابدیہ، ڈیرہ غازیخان]

امام العصر اور مرافقت آثار السنن

حضرت مولانا سید انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ''نیل الفرقدین'' میں لکھا ہے، کہ: میں '' آثار السنن'' کی تالیف میں علامہ نیموی کا معاون رہا ہوں۔ اس دعوی کو علامہ نیموی کے صاحب زادے مولانا عبد الرشید فوقانی نے اس بنا پر رد کر دیا کہ کتاب کی تالیف کے دوران علامہ کشمیری رحمہ اللہ طالب علم تھے، کیونکہ علامہ کشمیری کی تحصیل علوم سے فراغت ۱۳۱۴ھ میں ہوئی تھی، اور آثار السنن کا مسودہ ۱۳۱۴ھ میں تیار ہو چکا تھا، البتہ اشاعت اول ۱۳۱۸ھ میں ہوئی، لہٰذا علامہ کشمیری رحمہ اللہ کا عہد طالب علمی میں علامہ نیموی کی تالیف میں ان کے ساتھ تعاون کا دعوی کرنا کس طرح درست ہوسکتا ہے؟ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ آثار السنن کی تالیف کے بعد اس کے اجزاء علامہ کشمیری کو بھیجتے ہوں اور وہ انہیں کچھ رائے یا مشورہ دیتے ہوں۔ علامہ فوقانی کی اس گفتگو کے بعد اہل حدیث (بہ اصطلاح جدید) علماء کو مولانا کشمیری کی ثقاہت مجروح کرنے کا سرا ہاتھ میں آ گیا، انہوں نے علامہ کشمیری کے دعوی کو حیرت واستعجاب، انکار واستنکار کے ساتھ موضوع بحث بنا ڈالا، زیر نظر مضمون میں دلائل وقرائن اور آثار سے اس دعوی کو برحق ثابت کیا گیا ہے، نیز متشککین حضرات کو ورطہ حیرت سے نکالنے کی کوشش کی گئی ہے۔ واللہ الموفق

اس مبحث کو تین حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے، [۱]-مبادیات [۲]-قرائن [۳]-خاتمہ

(۱)-مبادیات:

حضرت شاہ صاحبؒ کے ابتدائی ضروری احوال:

☆حضرت شاہ صاحب کی ولادت باسعادت شوال ۱۲۹۲ھ میں ہوئی [۱]۔ خاندانی رسم ورواج کے مطابق چار سال چار ماہ چار دن میں کے ہوئے، تو تعلیم کی ابتداء ہوئی [۲]۔ پانچ سال فارسی اور پانچ سال عربی کی تحصیل فرمائی [۳]۔ بعمر نو سال فقہ ونحو کی شروح ومطولات کا مطالعہ شروع فرما دیا تھا، اور بعمر ۱۲ سال کشمیر میں لوگوں کو زبانی مسائل بھی بتا دیا کرتے [۴]۔

☆ہزارہ سے فراغت از تحصیل کے بعد ہندوستان کی طرف عازم سفر کس سن میں ہوئے؟ عبدالرحمٰن کوندو کے مطابق ۱۳۱۰ھ میں تشریف لائے [۵]۔ مولانا انظر شاہ کے مطابق ۱۳۰۷/۸ھ تشریف

لائے[۶]۔

یہی بات راجح معلوم ہوتی ہے، کیونکہ حضرت شاہ صاحب اور مولانا عبید اللہ سندھی تحصیل علم طب میں رفیق رہے تھے، اس علمی رفاقت کا اعتراف خود مولانا سندھی نے بھی ایک خط میں کیا[۷]۔ علم طب کی تحصیل حکیم اجمل خان کے بڑے بھائی حکیم واصل خان سے کی تھی[۸]۔ ان حضرات کی یہ رفاقت دار العلوم کی نہیں ہوسکتی، کیونکہ مولانا سندھی ۱۳۰۷ھ کو دیوبند چھوڑ چکے تھے[۹] اور ۱۳۰۸ھ کو وہ ایک سال دہلی میں تحصیل علم مصروف رہے، پھر واپس سندھ ہو گئے[۱۰]۔

مولانا انظر شاہ کا یہ فرمانا محل نظر معلوم ہوتا ہے، کہ حکیم واصل سے تحصیل طب دیوبند سے فراغت کے بعد کی، کیونکہ اس صورت میں مولانا سندھی کی رفاقت محل غور ہوگی۔

ممکنہ طور پر یہی ۱۳۰۸ھ وہ سن ہوسکتا ہے، جس میں حضرت شاہ صاحب اور مولانا سندھی کی رفاقت کا امکان ہوسکتا ہے، مولانا انظر شاہ تصریح کرتے ہیں، کہ ہر دو حضرات نے تحصیل طب ایک ہی استاد سے ایک ہی زمانہ میں کی تھی، اس زمانہ میں بھی آپ کی ذکاوت واستعداد عالی اساتذہ، طلبہ اور معاصرین میں مشہور ہو چکی تھی[۱۱]۔

لہٰذا معلوم ہوا کہ آپ نے ہندوستان کی طرف رخت سفر ۱۳۰۷/۸ھ میں ہی باندھا تھا، اور دہلی میں علم طب وغیرہ کی تحصیل میں مشغول رہے۔

۱۳۱۰ھ کو آپ کا داخلہ دار العلوم دیوبند میں ہوا، اور جائے قیام کے لیے دار العلوم کے قرب میں ایک حجرہ مسجد کا تعین ہوا، اور یہیں مولانا مشیت اللہ بجنوری سے تعلق خاطر ہوا[۱۲]۔ آپ چھٹیوں میں اکثر وبیشتر ان کے گاؤں تشریف لے جاتے تھے۔ اسی زمانہ یعنی ۱۳۱۰ھ کے آس پاس آپ کی ملاقات مولانا رحیم اللہ بجنوری سے ہوئی[۱۳]۔ مولانا مشیت اللہ بجنوری کے ہاں طویل تر قیام چند ماہ پر مشتمل تھا، جو ۱۳۱۴ھ میں فراغت کے بعد ہوا[۱۴]۔ اس موقع پر ان کے خاندانی کتب خانے سے بھی استفادہ فرمایا۔

مولانا رحیم اللہ بجنوری سے ملاقات کے وقت آپ کی عمر ۱۶،۱۷ برس رہی ہوگی، کیونکہ روایت میں تصریح ہے، کہ آپ کے چہرے پر بال تک نہ تھے، اور ان کے خادم نے آپ کو چھوکرا کہہ ڈالا تھا[۱۵]۔

دار العلوم سے فراغت ۱۳۱۴ھ کے بعد کچھ عرصہ گنگوہ، پھر مدرسہ عبد الرب، دہلی اور پھر مولانا بجنوری کے پاس قیام فرمایا، تا آنکہ ۱۳۱۵ھ کو مدرسہ امینیہ کی تاسیس رکھی گئی، اور اگلے برس اس کے پہلے اجلاس میں صدر مدرس منتخب ہوئے، یہاں آپ ربیع الاول ۱۳۱۹ھ تک رہے[۱۶]۔ اس کے بعد کشمیر تشریف لے گئے، اور وہاں ۱۳۲۸ھ تک قیام فرمایا۔

آثار السنن کی اولین طباعت:

علامہ نیموی نے تالیف کی ابتداء ۱۳۰۶ھ میں کی، اور جزو ثانی کی تسوید سے ۱۳۱۴ھ کو فراغت پائی [۱۷]۔ یہ کتاب زمانہ تالیف کے بعد سے مسلسل اشاعت پذیر ہے، سینکڑوں اشاعتیں اس کی پاک و ہند سے ہو چکی ہیں، اور یہ سلسلہ تا ہنوز جاری ہے، اس کی اولین اشاعت کے بارے میں ڈاکٹر عتیق الرحمٰن صاحب نے اپنی تحقیقی کتاب: ''شوق نیموی: حیات و کارنامے'' میں لکھا کہ یہ ۱۳۱۸ھ میں قومی پریس، لکھنو، سے پہلی مرتبہ طبع ہوئی [۱۸]۔

ماہنامہ انوار مدینہ میں مولانا ثناء اللہ صاحب لکھتے ہیں، کہ اس کی اولین اشاعت ۱۳۲۱ھ کو ہوئی [۱۹]۔

لیکن یہ دونوں خیالات محل نظر ہیں۔

حضرت شاہ صاحب کے زیر مطالعہ بظاہر وہی نسخہ رہا ہوگا، جس پر ان کے حواشی مرقوم ہیں، اور جو **الإتحاف** کے نام سے معروف و مشہور ہے، یہ نسخہ احسن المطابع، عظیم آباد سے **التعلیق الحسن** اور **تعلیق التعلیق** دونوں کے ساتھ شائع ہوا، جلد اول ۱۳۱۹ھ اور جلد دوم ۱۳۲۱ھ کو طبع ہوئی، دونوں حصے مصنف علامہ نیموی کی تصحیح کے ساتھ شائع ہوئے، یہ نسخہ مصنف کے رسالہ ''عمدۃ العناقید'' کے بغیر طبع ہوا، عمدۃ العناقید کا سن تالیف ۱۳۱۹ھ ہے [۲۰]۔ اس نسخہ کا ٹائٹل: **آثار السنن مع التعلیق الحسن وتعلیق التعلیق** ہے۔

ابن المصنف مولانا عبد الرشید فوقانی کی زیر نگرانی مطبوعہ نسخہ ۱۳۴۴ھ کا ہے، اس میں عمدۃ العناقید کا اضافہ ہے، اس کا ٹائٹل **آثار السنن مع التعلیق الحسن** ہے، یہ اصح المطابع، لکھنو، سے طبع ہوا، **تعلیق التعلیق** اس نسخہ میں بھی موجود ہے، لیکن ٹائٹل میں اس کا ذکر نہیں۔

عمدۃ العناقید میں مصنف نے خود تصریح کی، کہ انہوں نے شیخ الدلائل مولانا عبد الحق مہاجر مکی کو ۱۳۱۸ھ میں مطبوعہ نسخہ بھیجا، جس سے معلوم ہوا کہ اس کی ممکنہ اولین اشاعت ۱۳۱۸ھ یا اس سے قبل کی ہے، البتہ یہ وضاحت نہیں مل سکی، کہ شیخ الدلائل کو بھیجی جانے والی کتاب دو اجزاء پر مشتمل تھی یا صرف جزو اول پر؟

اصح المطابع، لکھنو، ۱۳۴۴ھ کی اشاعت میں اس کا واضح اشارہ موجود ہے، کہ: اولین اشاعت احسن المطابع کی نہیں، چنانچہ اغلاط کے تصحیح نامہ میں لکھا ہے: ''بقیہ اغلاط آثار السنن جلد اول مطبوعہ احسن المطابع عظیم آباد و قیومی پریس کانپور'' [۲۱] اسی طرح لکھا: ''بقیہ اغلاط آثار السنن جلد ثانی مطبوعہ اصح المطابع، لکھنو'' [۲۲]۔

اس سے معلوم ہوا کہ احسن المطابع اور قیومی پریس کا نسخہ ایک ہی تھا، نیز اغلاط نامے کی اغلاط کا تعلق صرف جلد اول سے ہونے کا مطلب یہ ٹھہرا، کہ قیومی پریس کانپور سے صرف ایک جزوطبع ہوا تھا، جزوثانی کی طباعت کی نوبت نہ آسکی ہوگی، وگرنہ جلد ثانی کا بھی اغلاط نامہ ساتھ ہوتا۔

قیومی پریس کانپور کا سن اشاعت معلوم نہیں ہوسکا، اسی نسخہ ۱۳۴۴ھ میں مرقوم ہے: ''قیومی پریس کانپور کہ سال طباعت مرقوم نیست۔''[۲۳]

بظاہر ایسے معلوم ہوتا ہے، کہ علامہ نے شیخ الدلائل کی خدمت میں جونسخہ بھیجا تھا، وہ ایک جزو پر مشتمل تھا، اور ۱۳۱۸ھ یا اس سے قبل طبع ہو چکا تھا، اور وہی اولین طباعت تھی۔

ڈاکٹر عتیق الرحمٰن صاحب نے لکھا: ''شیخ الدلائل کو یہ نسخہ ۱۲۸۱ھ میں بھیجا گیا۔''[۲۴]۔ بظاہر یہ کتابت کی غلطی معلوم ہوتی ہے، ۱۳۱۸ھ درست ہے۔ علامہ نیموی کی ولادت ۱۲۷۸ھ اور وفات ۱۳۲۲ھ کی ہے[۲۵]

آثار السنن کا یہ اولین نسخہ قیومی پریس سے بھی التعلیق الحسن کے ساتھ طبع ہوا تھا، کیونکہ اس کی اور احسن المطابع، عظیم آباد، کی اشاعت کی اغلاط کا ایک ہی تصحیح نامہ ہے، جس سے ان اشاعتوں کی یکسانیت معلوم ہوتی ہے، ۱۳۲۱ھ میں جزوثانی طبع ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب کے دوعربی قصیدے بلاترجمہ بھی مطبوع ہیں، جبکہ ۱۳۴۴ھ کی طباعت میں ایک عربی قصیدہ، بزبان فارسی منظوم ترجمہ کے ساتھ شامل اشاعت ہے۔

دعوی مرافقت کے الفاظ:

مرافقت کا یہ واقعہ حضرت شاہ صاحب سے نقل کرنے والوں میں مولانا یوسف بنوری، مولانا منظور نعمانی، مولانا محمد انوری، مولانا احمد رضا بجنوری اور مفتی فقیر اللہ صاحب رحمہم اللہ ہیں۔ مؤخر الذکر سے یہ بات مولانا محمد انوری صاحب نے سنی، مفتی صاحب حضرت شیخ الہند کے تلامذہ میں سے ہیں، ان کا سن فراغ دیوبند سے ۱۳۲۴،۲۵ھ ہے[۲۶]۔

اسکا مطلب ہے، کہ مفتی صاحب، حضرت شاہ صاحب کے رسمی طور پر شاگرد نہ تھے، اورانہوں نے یہ بات دارالعلوم کے ماحول اور اغلباً اساتذہ سے ہی سنی ہوگی، جس سے معلوم ہوا، کہ دارالعلوم کے اساتذہ میں حضرت شاہ صاحب کا آثار السنن میں مرافقت کا شرف حاصل کرنا معروف تھا۔

حضرت شاہ صاحب کے دعوی مرافقت کے سلسلہ میں تین طرح کے الفاظ ہمارے سامنے ہیں، حضرت شاہ صاحب کے اپنے الفاظ ہیں: **"وقدنقلت فيه شيئا من التعليق الحسن للشيخ**

النیموی مع مازدت علیه وقد کان الشیخ المرحوم حین تالیفه ذالک الکتاب یرسل إلی قطعة قطعة حتی أنی کنته مرافقا فیه، وزدت علیه أشیاء کثیرة بعده."[۲۷]

حضرت بنوری کے الفاظ ہیں: "**....فسماه أثار السنن، و کان کلما یؤلف قطعة من کتابه، یرسلها إلی المحدث الکبیر إمام العصر محمد أنور شاه الکشمیری...... فکأن الشیخ کان مرافقا له فی ذالک التالیف، کما ذکره فی نیل الفرقدین.**"[۲۸]

مولانا نعمانی، شاہ صاحب سے ناقل ہیں: ''مولانا نیموی نے بوقت تالیف کچھ اجزاء حضرت الاستاد کی خدمت میں اس غرض سے بھیجے، کہ ملاحظہ فرما کر مشورہ دیں، اور اضافہ ممکن ہو تو فرما دیں، حضرت نے ملاحظہ فرما کر واپس فرما دیئے، کہ اس مقصد کے لیے اس پتہ پر خط و کتابت فرمائیں، میں اس زمانہ میں کشمیر میں رہتا تھا، مولانا نیموی کے ساتھ خط و کتابت شروع ہوگئی، میں ان کے حکم کی تعمیل میں اضافے کرتا تھا......''[۲۹]

قرائن:

[۱]-علامہ نیموی اور حضرت شیخ الہندؒ:

علامہ نیموی کی پیدائش ۱۲۷۸ھ کی ہے، آپ بہار کے مدینۃ العلم، عظیم آباد کے باسی تھے، اسی علاقے میں سید نذیر حسین بھی زیر تعلیم رہے[۳۰]۔علامہ نیموی ایک نابغہ روزگار شخصیت تھے، ان جیسا شخص حضرت شیخ الہند کو کتاب بھیج سکتا تھا؟ کن خصوصیات کی وجہ سے ان کا اس کام کے لیے انتخاب کیا جانا ممکن تھا؟ اس سلسلہ کی گزارشات ملاحظہ ہوں۔

علامہ نیموی ۱۳۰۵ھ کو فارغ التحصیل ہوئے، اس دور میں مذہبی، خصوصاً حنفی اہل حدیث مباحثے زوروں پر تھے، خود علامہ نیموی اور مولانا بنارسی میں ہمیشہ مناظرے رہے[۳۱]۔ یہ مباحثے تھانوں کچہریوں اور عدالتوں تک جا پہنچے تھے، اور بقول سید نذیر حسین یہ مناظرے، مناقشوں، مجادلوں اور مکافروں تک جا پہنچے تھے[۳۲]۔ یہ امور علامہ نیموی سے مخفی نہ تھے، ان کے اپنے استاد مولانا عبدالحئی لکھنوی اور اہل حدیث علماء مولانا صدیق حسن خان، مولانا بشیر احمد سہوانی رحمہم اللہ کے قلمی مناظروں کے غلغلے ہر طرف تھے، علامہ نیموی نے جب اس میدان میں قدم رکھا، تو ان کی تحقیقات عالیہ کی گونج دہلی میں سید نذیر حسین تک بھی پہنچی، اور انہوں نے متقدمین اور متاخرین کی تحقیقات میں علامہ کی تحقیقات کی انفرادیت کو بنظر استحسان تسلیم کیا[۳۳]۔ اس عرصہ میں حضرت شیخ الہند ہندوستان بھر میں ایک جلیل القدر محقق، عالم، محدث اور مناظر کی حیثیت سے معروف ہو چکے تھے، یہ کیسے ممکن تھا، کہ دارالعلوم کے منصب صدارت پر فائز شخص جو اس

اکھاڑے کا بھی شہسوار تھا، علامہ نیموی کی نظر میں نہ آیا ہو، اس مناظراتی فضا میں حضرت شیخ الہند ہی نہیں بلکہ حضرت نانوتوی، حضرت گنگوہی اور حضرت مولانا سہارنپوری کے کمالات اہل علم پر عیاں ہو چکے تھے، دفاع سنت اور وکالت احناف میں یہ لوگ ہراول دستہ تھے، جس میدان میں علامہ نیموی نووارد تھے، اس میں حضرت شیخ الہند ۱۲۹۴ھ میں، علامہ نیموی کے ایام تحصیل ہی میں اپنے جوہر دکھا چکے تھے، ان کی کتب: ''ادلہ کاملہ'' اور ''ایضاح الادلہ'' کا شور بڑے زوروں پر تھا۔ بعید نہیں، کہ علامہ نیموی نے جو بخاری شریف پڑھی ہو، وہ حضرت مولانا احمد علی سہارن پوری اور حضرت مولانا قاسم نانوتوی کی ہی تزیین کردہ ہو، کیونکہ علامہ نیموی کے ہوش سنبھالتے سنبھالتے اس کتاب کے ہندوستان بھر میں چار ایڈیشن آب وتاب سے چھپ کر پھیل چکے تھے [۳۴]۔

دارالعلوم کی صدارت، مسلکی ہم آہنگی، علم حدیث میں حضرت شیخ الہند کا قدم راسخ اور مناظروں میں ان کی شہرت ایسے متعدد اسباب تھے، جن کے پیش نظر علامہ نیموی کا انتخاب وہی ہو سکتے تھے۔ نیز حضرت شیخ الہند کے علاوہ علامہ نیموی کی علمی مراسلت حضرت اقدس گنگوہی سے بھی ہو چکی تھی۔ جس کا مطلب ہے، کہ علامہ نیموی اور علماء اہل سنت دیوبند کا مستقل رابطہ رہتا تھا۔ علامہ نیموی اور حضرت شیخ الہند کے تعلقات کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے، کہ حضرت شیخ الہندؒ نے ''احسن القریٰ'' میں علامہ کے رسالہ جامع الآثار پر کیے گئے اعتراضات کے جوابات بھی دیئے ہیں۔

نیز علامہ نیموی اپنا رسالہ ''جامع الآثار'' حضرت اقدس گنگوہی کی خدمت میں بھی بھیج چکے تھے [۳۵]۔ ''احسن القریٰ'' کا سن تالیف ''ایضاح الادلہ'' کے ۱۴ر برس بعد کا ہے، اور ایضاح ۱۲۹۹ھ میں لکھی گئی، جیسا کہ ''حیات شیخ الہند'' میں تصریح کی گئی ہے [۳۶]۔ معلوم ہوا، کہ احسن القریٰ کم وبیش ۱۳۱۳ھ کے آس پاس لکھی گئی۔

''احسن القریٰ'' سے قبل ''جامع الآثار'' لکھی گئی، اور یہ حضرت اقدس گنگوہی کے پاس بھیجی گئی اور وہیں حضرت شاہ صاحب نے ملاحظہ فرمائی، اور اس کی تائید میں علامہ نیموی کو خط بھی لکھا، اور پرلطف بات یہ ہے، کہ علامہ نیموی نے بھی اس کے بعد شاہ صاحب سے مراسلت کی [۳۷]۔ اس بحث سے معلوم ہوا کہ حضرت شاہ صاحب اور علامہ نیموی کے مابین مراسلت ۱۳۱۳ھ ہی کے آس پاس شروع ہو چکی تھی، جب کہ شاہ صاحب کی عمر ۲۲ر سال تھی۔ نیز یہ ساری بحث یعنی علامہ نیموی کا رسالہ، اس پر نقد، جواب الجواب یقیناً شیخ الکل کے علم میں بھی ہوگی، کیونکہ مذکورہ تحریری مباحثے کی بنیاد انہی کا ایک فتوی تھا [۳۸]۔ ''احسن القریٰ'' کے آخر میں رسالہ: ''التلمیح'' سن ۱۳۲۰ھ یا بعد میں لکھا گیا، کیونکہ اس میں شیخ الکل کے لیے اموات کا لفظ

استعمال کیا گیا[۳۹]۔

ممکنہ طور پر وہ کون سا عرصہ ہوسکتا ہے، جس میں علامہ نیموی نے بسلسلہ ’’آثار السنن‘‘ حضرت شیخ الہند سے مراسلت کی؟

اس سلسلہ میں گزارشات ملاحظہ ہوں!

’’آثار السنن‘‘ کی موجود قدیم ترین اشاعت ۱۳۱۸ھ کی ہے، جس کا مطلب ہے حضرت شیخ الہند کو اس سے قبل ہی بھیجی گئی ہوگی، کیونکہ دستور یہی ہے، کہ اصلاح ومشورہ قبل از طباعت ہوا کرتا ہے۔ تو یہ دورانیہ ۱۳۱۴ھ کے آس پاس بنتا ہے، کیونکہ اسی برس کتاب کی تسوید مکمل ہوئی تھی۔ اور یہی برس حضرت شاہ صاحب کا سن فراغ از تکمیل ہے۔ اور اگر یہ فرض کیا جائے، کہ جس طرح علامہ نیموی نے حضرت شیخ الدلائل کو جلد اول مطبوع بھیجی، ایسے ہی حضرت شیخ الہند کو بھی مطبوع بھیجی ہوگی۔ تو یہ دورانیہ ۱۳۱۴ھ سے ۱۳۱۸ھ تک ہوسکتا ہے۔

[۲]- حضرت شیخ الہندؒ اور حضرت شاہ صاحبؒ:

حضرت شیخ الہندؒ نے علامہ نیموی کو حضرت شاہ صاحبؒ سے مراسلت کا مشورہ دیا، ایسا کن وجوہ کی بنیاد پر کیا گیا ہوگا؟ نظر انتخاب حضرت شاہ صاحبؒ پر ہی کیوں پڑی؟

ذیل کی سطور میں اس پر گزارشات ملاحظہ ہوں!

حضرت شیخ الہند پر حضرت شاہ صاحب کا مقام ومرتبہ ان کے فراغت سے قبل ہی اظہر من الشّمس ہو چکا تھا۔ حضرت شاہ صاحب کے چچازاد بھائی مولانا عبدالمجید شاہ کشمیری اپنی ذہانت اور فطانت کی بدولت حضرت شیخ الہند کے یہاں پہلے ہی جگہ پا چکے تھے، وہ دارالعلوم کے جید فاضل تھے۔ اور انہوں نے ہی حضرت شاہ صاحب کو ہزارہ میں مسلسل خط لکھ کر دیوبند کی طرف توجہ دلائی تھی، اور ادھر حضرت شیخ الہند کو اپنے چچازاد محمد انور شاہ کی ذہانت وفطانت کے بارے میں مطلع کیا تھا[۴۰]۔

حضرت شیخ الہند کے ہم استاد، ہم درس مولانا رحیم اللہ بجنوری وہ پہلے شخص ہیں، جنہوں نے حضرت شاہ صاحب کی عبقریت کا مشاہدہ کیا، مولانا موصوف خود ایک عبقری صفت انسان تھے، حضرت نانوتوی کے اَجل تلامذہ میں سے تھے، مناظرہ شاہ جہان پور میں ان کے معاون تھے[۴۱]۔ عربی، فارسی، کلامیات، منطق اور فلسفہ کے ماہر تھے[۴۲]۔ حضرت شاہ صاحب اور مولانا رحیم اللہ بجنوری کے درمیان منطق وفلسفہ کے مسائل پر گفتگو ہوئی، جس میں مولانا بجنوری نے جب ایک نوخیز طالب علم کو مشکل ترین منطقی اختلافی مباحث میں نا صرف فاضلانہ، ناقدانہ گفتگو کرتے ہوئے پایا، بلکہ ان میں محاکمانہ رائے بھی صادر کرتے

دیکھا، تو ان کی حیرت کی انتہاء نہ رہی، اسی موقع پر انہوں نے اپنی ایک کتاب پر حضرت شاہ صاحب سے تقریظ لکھوائی[۴۳]۔

منطق وفلسفہ میں شاہ صاحب کے اس مقام عالی کی خبران عبارات سے بھی ہوتی ہے، جو خلافت عثمانیہ کے آخری شیخ الاسلام، شیخ مصطفیٰ صبری نے حضرت شاہ صاحب کے لیے استعمال کی ہیں۔ شیخ مرحوم نے اپنی کتاب میں فلسفہ جدید وقدیم کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس سلسلہ میں انہوں نے مشرق ومغرب کے ہر بڑے فلسفے کے نظریات کو جانچتے ہوئے جن اہل علم پر نقود کیے ہیں، ان کے نام یہ ہیں: ریوارلی، امیل سسہ، جونسیمون، رونوویہ، برغسون، اسپینوزا، شیللنغ، کوزین، کانت، فرح انطون، ڈارون، سکرتان، غاساندی، پول زالہ، مترہ افکار، شوبہناور، ڈیکارٹ، سنت آنسلہ، طوماس، امام ماتریدی، ابن رشد، امام الحرمین، امام غزالی، ابن عربی، ابن تیمیہ، ابن القیم، عضد الدین ایجی، علامہ تفتازانی، علامہ دوانی، علامہ جرجانی، صدر الدین شیرازی، بہاء الدین عاملی، مولانا سیالکوٹی، مولانا ابراہیم کورانی سمیت، معاصر اہل علم میں سے شیخ زاہد الکوثری، علامہ محمد بخیت، شیخ الازھر امام مراغی، فرید وجدی، محمد حسین ہیکل، طہٰ حسین، استاد احمد امین، شیخ محمد عبدہ اور جمال الدین قاسمی جیسے نبلاء زمانہ اور فضلاء عصر کے فلسفیانہ اور غیر معتدل مذہبی افکار پر تنقید ومحاکمہ کیا ہے[۴۴]۔

اس سلسلہ میں ہندی معاصرین میں سے مولانا عبدالحئی لکھنوی صاحب[۴۵] اور حضرت شاہ صاحب کو بھی معرض بحث واستدلال میں لیا ہے، مولانا عبدالحئی صاحب کی ایک کتاب: ''أم البراهين'' کے بارے لکھا: ''**اقول فلما ذا إذن كتب ذالک الكتاب الذی ينتهی فيه إلى الهباء المنثور، فاضاع نفسه وأوقات قارئيه.**''[۴۶]

ایک موقع پر ان کی دلیل پر یوں معترض ہوئے: ''**سخافته ظاهرة...... بل الظاهر سخافة ماذكره المعترض، ولعله لم يفهم ما فی البرهان.**''[۴۷]

اس کے برخلاف حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ انہوں نے بڑے اعزاز واحترام سے کیا، ان کی موافقت پر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے شاہ صاحب کی ''مرقاۃ الطارم'' اور ''التصریح'' کا حوالہ دیا۔ ایک جگہ لکھا، کہ فلاں دلیل کے بارے یہ رائے رکھتا تھا، کہ اس لا اظہار صرف میں کر رہا ہوں، لیکن کیا دیکھتا ہوں، کہ شاہ صاحب نے بھی اس کو بیان کیا ہے، ان کی عبارات ملاحظہ ہو! ''**هذا! وكنت أظن أنی كاشف هذا البرهان أيضا، لاأرتاب فی قوته الحاسمة، ثم صادفته فی مرقاة الطارم لعالم الهند الكبير محمد أنور شاه الكشميری**''[۴۸]

ایک موقع پر حضرت مجدداور حضرت شاہ ولی اللہ کیفلسفیانہ قول پر نقد کرنیکیلئے العالم الکبیر کیا لفاظ حضرت شاہ صاحب کے لیے استعمال کیے [۴۹]۔

ایک موقعہ پر لکھا: ”**بعد أن کتبت هذا، رأیت مرقاة الطارم لعالم الهند الکبیر محمد أنور شاه الکشمیری...... فسرنی أن اتفقنا فی الرأی.**“[۵۰]

”مرقاۃ الطارم فی حدوث العالم“ حضرت شاہ صاحب کا ایک مختصر رسالہ ہے، جس میں انہوں نے اپنی اختیار کردہ فلسفیانہ آراء کو جمع کیا ہے، حضرت بنوری نے شیخ مصطفیٰ صبری سے خود سنا، کہ وہ اس مختصر رسالے کومشہور فلسفی عالم، علامہ صدرالدین شیرازی کی کتاب ”اسفار اربعہ“ پر ترجیح دیتے تھے۔[۵۱]

حالانکہ حضرت شاہ صاحب کے خادم خاص مولانا ادریس سکروڈوی کے بقول آپ نے ۱۳۲۸ھ کے بعد معقولات کی کتب کا مطالعہ بالکلیہ ترک کردیا تھا[۵۲]۔

حکیم فتح محمد صاحب دہلی میں علم ہیت کی تحصیل کے لیے شیخ الکل سید نذیر حسین کے پاس حاضر خدمت ہوئے، تو سید صاحب نے ان سے کہا: ”دلی میں ایک نووارد شخص محمد انور شاہ سنہری مسجد میں پڑھاتا ہے، یہاں وہی ان کتابوں کا درس دے سکیں گے۔“[۵۳] اگر شیخ الکل، مجدد، محدث زمانہ اپنے تمام تر تفوق علمی وعمری کے باوجود، اور اپنے ہم مسلک تلامذہ کبار کی موجودگی میں ایک نووارد شخص کی طرف مراجعت کا کہہ سکتے ہیں، تو ان سے کم عمر، کم تجربہ کار شخص علامہ نیموی یا حضرت شیخ الہند کی مراجعت کیوں قابل استعجاب وانکار ٹھہر سکتی ہے؟

شاہ عبدالقادر رائپوری ناقل ہیں: ”ان کے استاد مولانا کریم بخش صاحب (م۱۳۳۹ھ) حضرت شاہ صاحب کی فراغت کے معاً بعد، مدرسہ امینیہ، دہلی میں ان سے ملنے آئے تھے، جب شاہ صاحب کی عمر اندازاً بیس اکیس برس رہی ہوگی[۵۴]۔

یہ مولانا کریم بخش صاحب ۳۰/ برس مدرس اول رہے، اور علم ہیئت وافلاک کے نامور استاد زمانہ تھے[۵۵]۔ ظاہر ہے، کہ ان کی تشریف آوری بغرض استفادہ ہی ہوسکتی ہے۔

حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ زمانہ طالبعلمی میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے ساتھ بطور خادم شریک رہتے تھے، چنانچہ بھوپال کے ایک سفر میں حضرت شیخ الہند کو ابوداؤد کے ایک قلمی نسخہ کی خبر ملی تو آپ نے اسے عاریتاً لینا چاہا، لیکن اس کی کوئی سبیل نہ نکل سکی، تو حضرت شاہ صاحب نے اپنے قوت حافظہ سے اس نسخہ صحیحہ کو حفظ کر کے اس کا املاء کرایا، اور حضرت الاستاد کی خدمت میں پیش کیا[۵۶]۔ بھوپال کا یہ سفر ممکنہ طور پر ۱۳۱۱ھ سے ۱۶، ۱۳۱۵ھ کے درمیان کا ہے، کیونکہ اس کے بعد حضرت شاہ صاحب مدرس ہوگئے تھے،

لہٰذا یہ ۱۶، ۱۳۱۵ھ سے پہلے کا ہی ہوسکتا ہے، حضرت شیخ الہندان دنوں سنن أبي داوٗد کی تصحیح پر کام کر رہے تھے، اس سلسلہ میں ان کے پیش نظر میسر قلمی و مطبوع نسخے رہا کرتے تھے، یہ کام آپ منتخب طلبہ سے لیا کرتے تھے، سنن أبي داوٗد کا یہ نسخہ حضرت شیخ الہند کی تصحیح کے ساتھ پہلی مرتبہ ۱۳۱۸ھ میں مطبع مجتبائی، دہلی، سے شائع ہوا[۵۷]۔

شاہ صاحب رحمہ اللہ مناظروں میں حضرت شیخ الہند کی رفاقت میں رہتے، حوالجات کی تخریج ان کے ذمہ ہوا کرتی تھی[۵۸]۔ ظاہر ہے کہ یہ دور ممکنہ طور پر حضرت شاہ صاحب کے تدریسی دور ۱۶، ۱۳۱۵ھ سے قبل کا ہی ہوسکتا ہے۔

۱۹، ۱۳۱۸ھ میں حضرت شاہ صاحب کی شہرت کو چار چاند اس وقت لگے، جب انہوں نے ایک اہل حدیث عالم سے گلاؤٹھی میں مناظرہ کیا، اس مناظرہ میں حضرت گنگوہی کی ہدایت کے مطابق اکابرین مدرسہ خصوصا حضرت شیخ الہند، حضرت سہارنپوری رحمہم اللہ تشریف لے گئے، معلوم ہوتا ہے، کہ اس مناظرے کی خاص اہمیت رہی ہوگی، شاہ صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ کی حیثیت سے علماء اہل سنت دیوبند کے مناظر تھے[۵۹]۔ یہ شاہ صاحب کا اولین مناظرہ تھا، دوران مناظرہ بحث اس بات پر آٹھہری، کہ حدیث ہر قل حفظ سنائی جائے، فریق مخالف اہل حدیث مناظر کے انکار پر شاہ صاحب نے سنانی شروع کی، اور کم وبیش ایک سپارہ کی مقدار برسر مجمع سنا کر اصاغر و اکابر، موافق ومخالف سامعین کو حیران کر ڈالا[۶۰]۔ شاہ عبدالقادر رَائے پوری اس مناظرہ کے شرکاء سامعین میں سے تھے، یہ ان کا زمانہ طالب علمی تھا[۶۱]۔

فریق ثانی کے مناظر کون تھے؟ اس بارے میں راقم کو اطلاع نہیں ہوسکی۔ البتہ اس مناظرے کے کچھ عرصہ بعد ایک اور مناظرہ ہوا، جو میرٹھ کی خندق مسجد میں مولانا حمید اللہ میرٹھی سے ہوا، اس میں شاہ صاحب تن تنہا تشریف لے گئے تھے، مناظرہ میں مولانا حمید اللہ مرحوم کو ایک لفظ جوابی کی بھی ہمت نہ ہوسکی، تا آنکہ پولیس کی مداخلت سے یہ مناظرہ ختم کرا دیا گیا[۶۲]۔ اس مناظرے کی تاریخ غالباً ۱۳۲۰ھ کی ہے، کیونکہ مولانا اعزاز علی رحمہ اللہ ''مدرسہ قومی'' میرٹھ کے طالب علم تھے، اور شاہ صاحب کی تقریر کے بعد جوابی تقریر کے سماع کے لیے حاضر ہوئے تھے، اور ''مدرسہ قومی'' میں ان کے طالب علمی ۱۳۲۰ھ کی ہے۔[۶۳]

اس مناظرہ کے قدرے تفصیلی اَحوال کے لیے: ''تصویر انور'' ۴۵-۶/۴۷ ملاحظہ فرمائیں۔

فائدہ:

یہ دو الگ الگ مناظرے ہیں۔ گلاؤٹھی مناظرے میں حضرات اکابر تشریف فرما تھے، اور مولانا رائے پوری بھی شریک سامعین تھے، اور یہ مناظرہ اغلباً ۱۸، ۱۳۱۷ھ کو پیش آیا، کیونکہ اسی دوران شاہ

عبدالقادر رائپوری دہلی میں تھے[۶۴]۔ ۱۳۱۹ھ میں وہ بریلی چلے گئے تھے[۶۵]۔ دہلی سے گلاؤٹھی شرکت کرنا قرین قیاس ہے، نہ کہ بریلی سے گلاؤٹھی شرکت کرنا، اور اگر انہوں نے میرٹھ کی طالب علمی کے دوران گلاؤٹھی مناظرہ میں شرکت کی ہوگی، تو پھر یہ مناظرہ ممکنہ ۱۶، ۱۳۱۵ھ کو ہوا ہوگا۔ اس مناظرے میں فریق مخالف کے مناظر کا علم نہیں ہوسکا۔

دوسرا مناظرہ جو میرٹھ میں ہوا، اس میں حضرت شاہ صاحب تن تنہا تشریف لے گئے تھے، اور اس کا مشاہدہ مولانا اعزاز علی صاحب نے کیا تھا۔ اس مناظرہ میں فریق ثانی کی طرف سے مولانا حمید اللہ میرٹھی مناظر تھے۔ عجیب تر بات یہ ہے، کہ ''تاریخ اہل حدیث'' اور ''تذکرۃ المناظرین'' میں ان مناظروں کی طرف اشارہ تک نہیں کیا گیا۔

ان دو مناظروں کے علاوہ ایک اور مناظرہ دہلی میں مولانا عبدالقادر رائپوری و دیگر طلبہ ء فریقین کی خواہش واصرار سے، مولانا عبدالوہاب دہلوی کے ساتھ ہونا طے پایا تھا، لیکن کسی وجہ سے اس کی نوبت نہ آسکی تھی[۶۶]۔

حضرت شاہ صاحب نے اسی زمانہ میں ایک دکنی رافضی کا ردبھی نے بزبان فارسی تحریر کیا، جو دوسو (۲۰۰) صفحات پر مشتمل تھا[۶۷]۔

ان سطور سے یہ بات معلوم ہوتی ہے، کہ جن ممکنہ ایام میں علامہ نیموی نے حضرت شیخ الہند کو کتاب بھیجی، انہی دنوں حضرت شاہ صاحب کے کمالات وخصائص اساتذہ ومعاصرین پر عیاں ہو چکے تھے، اس لیے حضرت شیخ الہند نے اپنے تمام تر تفوق کے باوجود آپ کو ''آثار السنن'' میں اصلاح ومشورہ کا اہل سمجھا۔

[۳]- حضرت شاہ صاحبؒ اور علامہ نیمویؒ:

علامہ نیموی نے ''آثار السنن'' جزء ثانی کے آخر میں ایک اشتہار دیا تھا، جس میں انہوں نے لکھا، کہ جزء اول کی طباعت کے بعد انہیں ملک بھر کے اطراف واکناف سے اہل علم نے تائیدی اور مبارک بادی خطوط بھیجی ہیں[۶۸]۔

لیکن علامہ نے اس سلسلہ میں صرف دو مراسلے قارئین کے سامنے پیش کیے ہیں، ایک شیخ الدلائل مولانا عبدالحق مہاجر مکی کا مبارک خط، جو انہوں نے ''عمدۃ العناقید'' کا حصہ بنایا، لیکن علامہ نے مذکورہ کتاب کے ۱۳۱۹ھ میں تصنیف کیے جانے کے باوجود اسے آثار کا حصہ نہیں بنایا۔ عمدہ کی اولین اشاعت آثار کے ساتھ ۱۳۴۴ھ کی ہے، جو مولانا فوقانی نے کرائی، اس بنیاد پر کہا جاسکتا ہے، کہ آثار کے سلسلہ میں اکابرین ومعاصرین کی طرف سے جو تہنیاتی مکاتیب ومراسلے انہیں بھیجے گئے، ان میں سے کسی کو انہوں نے خود آثار کا

حصہ نہیں بنایا، سوائے ایک تحریر کے، اور وہ تحریر حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے دو عربی قصیدے ہیں۔ علامہ نیموی کے حین حیات ۱۳۲۱ھ میں یہ قصیدے شامل اشاعت رہے۔ اور یہ علامہ نیموی اور شاہ صاحب کے مابین مراسلت پر بین دلیل ہیں[۶۹]۔ یہ احتمال بعید ترین ہے، کہ علامہ کی نظر و اجازت کے بغیر ان کو شامل اشاعت کیا گیا ہو، کیونکہ کسی کتاب کی تعریف و توصیف کے متعلق مصنف ہی کو لکھا جاتا ہے، نہ کہ ناشر کو۔ علامہ نیوی نے آثار کی تصحیح، اشتہارات وغیرہ خود بنفس نفیس مرتب کیے، جیسا کہ ان اشتہارات اور تصحیح ناموں سے ظاہر ہے۔

حضرت شاہ صاحب کے ان قصیدوں پر جو عنوان دیا گیا ہے، وہ یہ ہے: **الأديب اللبيب العارف بالله**[۷۰]۔ یہ محض عبارت آرائی نہیں تھی، بلکہ مصنف علام کی طرف سے حضرت شاہ صاحب کے مقام عالی کا اعتراف و اظہار کا بہترین نمونہ تھا، علامہ نیموی خود ادب میں کامل دستگاہ رکھتے تھے، اساتذہ عصر ان کی شاعری اور ادبیت کے معترف و قدر دان تھے، یقیناً ان کی دیگر کتب (مثلاً: **الحبل المتين** جس پر عبد العلی، آسی، مرحوم نے ۱۳۱۱ھ قطعہ تاریخی لکھا) کی طرح "آثار السنن" کے تاریخی قطعات بھی لکھے گئے ہوں گے، لیکن مصنف کی نظر انتخاب میں صرف حضرت شاہ صاحب کے قصیدے ہی جچے[۷۱]۔

عنوان میں "العارف باللہ" کے الفاظ کا بھی اضافہ ہے، جو ایسے صاحب نسبت شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے، جو اہل علم کے ہاں صالح اور مصلح ہو، تصوف و تزکیہ اور سلوک و احسان میں قدم راسخ کا حامل ہو، اس لفظ کے انتخاب کی وجہ شاید وہ مباحث رہی ہوں گی، جو حضرت شاہ صاحب نے علامہ نیموی کو ارسال کی تھیں، اور جنہیں علامہ نیموی نے اپنی کتاب میں تو نہیں لیا، لیکن شاہ صاحب کو لکھنے کی فہمائش کرتے رہے، یعنی احادیث کی تشریح سے متعلق معنوی مباحث۔ مولانا نعمانی کی روایت ہے، حضرت شاہ صاحب نے فرمایا: "میرے اضافے زیادہ تر معنوی بحثوں سے متعلق تھے۔"

قصیدے کے عنوان میں شاہ صاحب کے بارے میں یہ بھی لکھا گیا: **المدرس الاعلى للمدرسة الأمينية في دهلي** .اس سے واضح ہوتا ہے، کہ اس مراسلت کا تعلق امینیہ کے دور سے ہے، یعنی ۱۳۱۶ھ سے ۱۳۱۹ھ کے آس پاس تک۔

مولانا نعمانی کی روایت میں علامہ نیموی اور شاہ صاحب کے مابین طویل مراسلت کا اشارہ اور تسلسل رابطہ کی تصریح ہے، اس پر بہترین قرینہ "آثار السنن" کی تسوید و تکمیل اور طباعت کی تاریخیں ہیں۔ علامہ ایک متحرک شخص تھے، رواں دواں قلم، اور فیاض طبع کے مالک تھے۔ سرعت تالیف کے ساتھ متصف تھے۔ انہوں نے متعدد رسالے لکھے، "آثار السنن" میں ان کا طریقہ یکسر مختلف ہو گیا، چنانچہ اس کے بارے

لکھا کہ: ''طہارت تک مکمل ہوگئی ہے، اور کتاب الصلوۃ قریب الاختتام ہے۔''

یہ بات انہوں نے ''جلاء العینین'' کے اشتہار میں لکھی، جلاء کا زمانہ تالیف **''الحبل المتین''** سے مؤخر ہے، اور ''الحبل المتین'' ۱۳۱۱ھ میں طبع ہوئی، اس کا مطلب یہ ٹھہرا، کہ: ۱۳۱۲ھ تک کتاب قریب الاختتام تھی۔ لیکن اس کی تکمیل از تسوید ۱۳۱۴ھ میں ہے، جیسا کہ خود وضاحت کی، مگر اس کی تکمیل طباعت کا سال ۱۳۲۱ھ ہے، آخر ایسا کیا معاملہ رہا، کہ علامہ نے کتاب ۱۳۱۲ھ سے ۱۳۱۴ھ تک مکمل کر لی، لیکن اس کی طباعت چھ سات سال کا عرصہ لے گئی؟ اس سے معلوم ہوتا ہے، کہ دیگر ذاتی وجوہ کے ساتھ، اہل علم سے مشاورت، مناقشہ اور تصحیح و مراجعت نے بھی تاخیر و التواء میں اپنا حصہ لیا۔

علامہ نیموی نے حضرت شاہ صاحب کا تذکرہ آثار السنن، التعلیق الحسن اور تعلیق التعلیق میں کیوں نہیں کیا؟ دراصل علامہ نیموی آثار میں کسی بھی معاصر کا نام نہیں لیتے، ایک موقع پر انہوں نے مولانا شمس الحق ڈیانوی پر نقد کیا ہے: **''وشنع بكلمات سخيفة، وألفاظ غير مهذبة على بعض أعيان السهارنفور، الذى كان شيخ العصر فى الحديث.''**[۷۲] کیونکہ انہوں نے ''التعلیق المغنی'' میں مولانا احمد علی سہارن پوری کے بارے لکھا: **''ونقل هذا القول بعض أعيان السهارنفور ناصر المذهب فى الحاشية التى تصدى لرد أحاديث صحيح البخارى وأقر عليه، ولم يعرف ذالک المسكين.''**[۷۳] لیکن علامہ نیموی نے دونوں حضرات میں سے کسی کا نام بھی نہیں دیا۔

علامہ نیموی کی طرح حضرت شیخ الہند بھی ان حضرات کی غیر سنجیدہ گفتگو پر شکوہ کیا ہے[۷۴]۔ **وهو المشاهد فى ''الكتاب المستطاب فى جواب فصل الخطاب''.**[۷۵]

(۳)-خاتمہ:

اشکالات:

۱)-اس سلسلہ میں پہلا اشکال یہ ہے، کہ حضرت شاہ صاحب نے -بروایت مولانا نعمانی- یہ فرمایا: کہ علامہ نیموی اور ان کے درمیان مراسلت کشمیر کے پتے پر ہوئی، جبکہ حضرت شاہ صاحب ۱۳۱۴ھ کے بعد ۱۳۱۹ھ تک دہلی اور اس کے اطراف میں اقامت پذیر رہے تھے۔ اسی روایت کی وجہ سے مولانا کوندو صاحب نے زمانہ مراسلت ۱۳۲۰ھ تا ۱۳۲۸ھ بیان کیا ہے[۷۶]۔ حالانکہ یہ واضح تسامح ہے، حضرت شاہ صاحب کے قصائد ۱۳۲۱ھ میں طبع ہو گئے تھے، اور علامہ نیموی بھی ۱۳۲۲ھ میں وفات پا گئے تھے، لہٰذا مراسلت کا مذکورہ دورانیہ مبنی بر تسامح ہے۔ ایسے معلوم ہوتا ہے، کہ کشمیر کا پتہ دینے کی حکمت یہ رہی ہوگی، کہ وہ پتہ ایک مستقل پتہ تھا، جہاں خود شاہ صاحب بھی مراسلت کر کے اپنی خیریت کی اطلاع دیتے ہوں گے،

اور انہیں بھی وہاں سے ڈاک یقینی طور پر مل سکتی تھی۔

حضرت شیخ الہند نے یہ پتہ دار العلوم کے ریکارڈ سے حاصل کر کے علامہ نیموی کو بھیجا ہوگا۔اس احتمال کو اس امر سے تقویت ہوتی ہے، کہ حضرت شاہ صاحب دار العلوم سے فراغت کے بعد کچھ عرصہ گنگوہ، پھر مدرسہ عبد الرب دہلی اور پھر بجنور میں تشریف لے گئے،صرف بجنور کی اقامت اس مرتبہ کم وبیش چھ ماہ پر مشتمل تھی، بظاہر حضرت شیخ الہند کو ان کی تبدل پذیر جائے اقامت کی خبر مستقلاً دیے جانے کی کوئی معقول وجہ سامنے نہیں، یہی انقطاع رابطہ،اور جائے اقامت کا نا معلوم ہونا،ان کا مستقل پتہ بتانے کی وجہ ترجیح بنا۔اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے، کہ مولانا امین الدین صاحب کو، شاہ صاحب کو تلاشنے میں بڑی تگ ودو کرنا پڑی[۷۷]۔حالانکہ شریک درس طلبہ کو اپنے ہم مکتب دوستوں کی خبر اساتذہ سے زیادہ ہی ہوتی ہے۔

تو حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کا کشمیر کا پتہ بتانا اس کے مستقل اور یقینی ہونے کی بنیاد پر تھا،لہٰذا وہ دیگر پتے بتانے سے یقیناً معذور تھے، یقیناً شاہ صاحب کی اپنے والد گرامی سے مراسلت ومکاتبت بھی ہوتی رہتی تھی،تو دانشمندی کا تقاضہ یہی ٹھہرتا ہے، کہ کشمیر کا ہی پتہ دیا جائے۔

کشمیر میں مراسلت کا یہ مطلب نہیں کہ علامہ نیموی اور شاہ صاحب کے درمیان دہلی میں مراسلت نہیں ہوئی، چنانچہ شاہ صاحب نے خود تصریح کی ہے، کہ ان کی مراسلت دہلی میں بھی ہوتی رہی تھی، انہوں نے ''جامع الاثار'' کی تائید میں علامہ نیموی کو مراسلہ لکھا تھا[۷۸]۔یہ بات گزر چکی ہے کہ: ''جامع الآثار'' کا سن تالیف ۱۳۱۴ھ کے آس پاس ہے۔

۲)- حضرت شاہ صاحب نے -بروایت مولانا نعمانی -فرمایا کہ: ''ان کی علامہ نیموی سے مراسلت '' آثار السنن'' کی تالیف کے دوران ہوئی۔'' حالانکہ کتاب ۱۳۱۴ھ میں مکمل ہو چکی تھی۔اس وقت حضرت شاہ صاحب دار العلوم کے طالب علم ہی تھے۔

اس سلسلے میں گزارش یہ ہے، کہ عرفاً جب تک کتاب زیور طباعت سے آراستہ ہو کر اہل علم کے ہاتھوں میں نہ آجائے، وہ زیر تصنیف، زیر ترتیب اور زیر تالیف ہی کہلاتی ہے۔خصوصاً جبکہ وہ مشورہ واصلاح کے لیے اہل علم کو بھیجی جا رہی ہو۔اور ناشر کو بھی نہ دی گئی ہو، بھلے نفس الامر میں یا مصنف کے خیال میں وہ مکمل ہو چکی ہو۔لیکن جسے برائے اصلاح ومشورہ بھیجی گئی ہو،تو کیا اسے یہ حق نہیں، کہ وہ اسے زیر تالیف یا نا مکمل قرار دے؟

دعوی مرافقت کا تعلق کس کتاب سے ہے؟

حضرت شاہ صاحب کے اس دعوی مرافقت کا تعلق '' آثار السنن'' سے ہے، جیسا کہ مولانا نعمانی

اور شیخ بنوری کی تحریرات سے معلوم ہوتا ہے، یا پھر ''التعلیق الحسن'' سے ہے، جیسا کہ خود حضرت شاہ صاحب نے ''نیل الفرقدین'' میں فرمایا!؟

اس سلسلے میں راقم کے نزدیک شاہ صاحب کی عبارت اَولیٰ ہے، اور محمول بر حقیقت ہے، جبکہ ہر دو حضرات کی رائے مجاز ہے۔ ایک وجہ تو خود یہی کہ شاہ صاحب کی اپنی تحریر میں تصریح ہے، نیز نیل الفرقدین میں جہاں انہوں نے علامہ نیموی کے افادات ختم کیے، وہاں بھی صراحتاً ''تعلیق'' اور'' آثار'' کا نام لیا۔ جس کا مطلب ہے، ان کی نظر میں ان کا فرق واضح تھا، اور انہوں نے یہ دعویٰ خاص طور پر ''التعلیق'' کے بارے میں کیا۔

عقلاً بھی یہ راجح معلوم ہوتا ہے، کہ مرافقت کا تعلق ''التعلیق الحسن'' سے ہو، کیونکہ اہل علم کو اس بات کا خوب ادراک ہے، کہ اصل کتاب علامہ نیموی کی' بجائے آثار، ''التعلیق الحسن'' ہے، علامہ کی قلمی و تحقیقی جولانیاں التعلیق میں جلوہ گر ہیں۔ آثار صرف اَحادیث کا مجموعہ ہے۔ یہ احادیث پہلے بھی کتب حدیث میں اور مختصر فقہی حدیثی مصنفات میں – مختلف ترتیب ہی سے سہی – موجود ہیں۔ البتہ ان احادیث پر اسناد و علل کی جہت سے اس قدر عمیق، محدثانہ، محققانہ، اور مجتہدانہ گفتگو علامہ کا کارنامہ تھا۔ کتاب کے متن میں بھلا کیا مرافقت ہوسکتی تھی؟

اس سلسلہ میں ایک مبحث یہ بھی ہے، کہ حضرت شاہ صاحب کی اس مرافقت کا تعلق صرف جزو ثانی سے ہے، یا دونوں اجزاء سے ہے؟ اس کی ممکنہ صورت یہ ہوگی، کہ جزو اول کی طباعت کے بعد جب حضرت شیخ الہند کی خدمت میں وہ بھیجی گئی جو ۱۷، ۱۳۱۸ھ کی مطبوعہ تھی، تو حضرت شیخ الہند کے مشورہ سے علامہ نیموی نے حضرت شاہ صاحب سے مراجعت کی، تو اس دوران ۱۳۱۹ھ میں شاہ صاحب کو ہندوستان چھوڑنا پڑا، تو وہ کشمیر تشریف لے گئے، اور پھر جزو ثانی کے بارے میں یہ مراسلت ہوتی رہی، جو بعد شاہ صاحب کے قصائد کے ساتھ طبع ہوئی۔ اس توجیہ سے دونوں اِشکال وارد نہ ہوں گے۔ البتہ قصیدے کے عنوان پر ''مدرسہ امینیہ'' بدایت مراسلت کی بنیاد پر لکھا گیا ہوگا۔ واللہ اعلم

اضافات کی نوعیت:

حضرت شاہ صاحب نے ''التعلیق الحسن'' کے سلسلے میں جو مراسلت کی، اس میں شاہ صاحب کے مکاتیب و مراسلات کی نوعیت کیا تھی؟ مولانا نعمانی کی روایت میں وضاحت ہے، کہ علامہ نیموی نے اسناد و علل پر بحث کی گنجائش بہت کم چھوڑی تھی، اور حضرت شاہ صاحب کی اضافات رموز و اسرار پر مشتمل تھے۔ جنہیں علامہ نیموی نے کتاب کا حصہ نہ بنایا[۷۹]۔ اس روایت سے مولانا ڈاکٹر عبدالحلیم نعمانی صاحبؒ کا

تسامح واضح ہوتا ہے، کیونکہ ان کے خیال میں یہ اضافے علامہ نیموی کے ذوق کے مطابق تھے [۸۰]۔

حضرت بنوریؒ کے بقول علامہ نیموی کی کتاب میں جو ممکنہ اعتراضات کی گنجائش ہو سکتی تھی، شاہ صاحب نے اپنے اضافات میں اسے پیش نظر رکھا، اگر چہ وہ اضافات علامہ نیموی کے ذوق کے مطابق نہ تھے، یا پھر درسی کتاب کے اسلوب کے برخلاف ہونے کی وجہ سے انھوں نے کتاب کا حصہ نہ بنایا۔ حضرت شاہ صاحب نے ''نیل الفرقدین'' میں ''آثار السنن'' اور ''التعلیق الحسن'' سے جو استفادہ کیا ہے، اور پھر جو اس پر اِضافے فرمائے ہیں، وہ ملاحظہ ہوں [۸۱]

[۱]- حدیث ابن مسعود پر کلام ''آثار السنن'' میں صفحہ ۱۵۲-۱۵۴/ پر کیا گیا ہے۔

''نیل الفرقدین'' متن میں یہ حدیث مع کلام نیموی صفحہ ۵۶-۶۶/ پر آئی ہے، جبکہ شاہ صاحب کا اضافہ صفحہ ۶۶-۹۹/ پھیلا ہوا ہے۔

[۲]- اثر عمر ''آثار السنن'' میں صفحہ ۱۵۴-۱۵۶/ پر ہے، ''نیل الفرقدین'' متن میں صفحہ: ۹۹-۱۰۳/ تک ہے، لیکن شاہ صاحب کا اس پر اضافہ حواشی میں صفحہ: ۱۰۳-۱۰۹/ تک ہے۔

[۳]- اثر علی ''آثار السنن'' میں صفحہ ۱۵۵-۱۵۶/ پر ہے، ''نیل الفرقدین'' متن میں صفحہ: ۱۰۹-۱۱۳/ پر ہے، شاہ صاحب کا اضافہ حواشی میں صفحہ: ۱۱۳-۱۰۹/ تک پھیلا ہوا ہے۔

یہ تین مثالیں صرف نوعیت مبحث کی تقریب کے لیے ہیں، اِن نقول سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے، کہ حضرت شاہ صاحب کا یہ اِرشاد حقیقت پر مبنی ہے، انہوں نے کتاب پر دگنا اضافہ کیا ہے۔ نیز یہ بات بھی قرین قیاس ہے، کہ شاہ صاحب نے اپنی کتاب ''نیل الفرقدین'' اور ''فصل الخطاب'' کا بنیادی خاکہ علامہ نیموی کے ساتھ مراسلت کے دوران محفوظ کر لیا ہو چنانچہ ''نیل الفرقدین'' میں ان کے الفاظ قطعات کانت عندی اس پر دلالت کرتے ہیں۔ [۸۲]

دعویٰ مرافقت کی نوعیت:

حضرت شاہ صاحب کے اس دعویٰ سے کیا مراد تھی؟ اس سلسلہ میں گزارشات ملاحظہ ہوں۔

(ا)- اس سے شراکت فی التصنیف کا دعویٰ ہو۔ راقم حضرت شاہ صاحب اور ان کے منتسبین میں سے کسی کی ایسی کلام پر مطلع نہیں ہوا، جس میں شراکت فی التصنیف مراد لیا گیا ہو، البتہ اہل حدیث [بہ اصطلاح جدید] عالم مولانا عبدالسمیع صاحب نے ''تحفۃ الاحوذی'' کے مقدمہ میں حضرت شاہ صاحب کو ''آثار'' کا شریک مصنف قرار دیا ہے [۸۳]۔ بالفرض اگر یہ مراد لیا بھی جائے، تو یہ **"فظن أن لن نقدر علیہ"** کی تقدیر پر زعم متکلم ہے، جو فصحاء بلغاء کی کلام میں بکثرت مستعمل ہے، اور یہ دعویٰ بطور مجاز

ہے۔ ممکن ہے، کہ حضرت بنوری نے مجازی معنی کے پیش نظر (کأن) حرف تشبیہ اختیار کیا ہو۔

(۲)-اس سے مراد موافقت ہے۔ گویا حضرت شاہ صاحب اور علامہ نیموی کی آراء مسائل خلافیہ، اَدلہ اور استنباط میں باہم موافق تھیں۔ یعنی موافقت فی الرأی مراد ہے[۸۴]۔

(۳)-تیسرا اِحتمال یہ ہے، کہ اس مرافقت سے علمی معاونت مراد ہو، یعنی علامہ نیموی کی علمی معاونت۔

معاونت کا مصداق ہر زمانہ کے لحاظ سے مختلف ہوتا رہتا ہے، آج کے زمانہ میں پروف ریڈنگ، تخریج حوالہ جات، تصحیح عبارات، اَدلہ کی دستیابی، مراجع کی رہنمائی وغیرہ ہو سکتے ہیں۔ اور اس زمانہ کے حوالے سے تصحیح استدلال، بیانِ اَدلہ، مظان متوقعہ، وغیر متوقعہ کے نشاندہی، اُمورِ محتملہ میں تعیین مراد، اور اُمورِ مذکورہ پر وارد ہونے والے اشکالات کے جوابات مراد ہو سکتے ہیں۔

مولانا فوقانی نے اس پر جو اشکال کیا ہے، اور جسے مولانا اثری صاحب نے نمایاں کر کے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف کے دوران حضرت شاہ صاحب تو طالب علم تھے، تو طالب علم سے مشاورت چہ معنی دارد؟ کتاب کی تکمیل مسودہ ۱۳۱۴ھ کے آس پاس ہوگئی تھی، اور طباعت ۱۸، ۱۳۱۷ھ میں۔

چار پانچ سالوں کی یہ تاخیر، اور جلد ثانی کی طباعت کا ۱۳۲۱ھ تک مؤخر ہو جانے کا مطلب ہے، کہ کتاب اپنی تکمیل مسودہ کے بعد بالیقین تصحیح و مراجعت کے مسائل سے گزرتی رہی، اور یہی وہ موقع تھا، جس میں حضرت شاہ صاحب علامہ نیموی کی مرافقت سرانجام دے رہے تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے احوال رفیعہ سے یہ بات اظہر من الشّمس ہوتی ہے، کہ زمانہ طالب علمی میں ہی وہ ''سباق غایات'' بن چکے تھے، ان کے شریک درس مولانا سلطان محمود کہتے ہیں، کہ ایک مرتبہ دوران درس حضرت الاستاذ نے طلبہ سے ایک ایسا سوال پوچھا، جس پر میرا خوب مطالعہ تھا، اور بزعم خود میں اس مقام کی انتہاؤں تک پہنچا ہوا تھا، خیال تھا، کہ آج بشمول انور شاہ کوئی مجھ سے آگے نہیں ہو سکے گا، لیکن جب حضرت شاہ صاحب نے جوابات دینا شروع کیے، تو ان کا پہلا جواب ہی میرے علمی ادراک و تحقیق کی معراج تھا، اور باقی پوری تقریر میں ان کا ہر دوسرا جواب پہلے سے بڑھ کر تھا، مجھ پر سکتہ طاری ہو گیا، اور میں مبہوت ہو گیا، مجھے یقین ہوا، کہ خزانہ اقدس کے لدنی چشمے تک شاہ صاحب کا ذہنی رابطہ ہے، کسب سے اس مقام تک رسائی ناممکن ہے[۸۵]۔

چنانچہ یہ بات مستبعد نہیں، کہ حضرت شیخ الہندؒ نے حضرت شاہ صاحب کی فراغت یعنی ۱۳۱۴ھ میں، معاً بعد از فراغت علامہ نیموی کو ان سے مراسلت کا ارشاد فرمایا ہو۔

اس مرافقت کو باہم معاصرین کی مرافقت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ اسی طرح استاد و شاگرد کی

مرافقت پر بھی، دونوں محتمل ہیں۔ دونوں میں یہ انتساب مرافقت باعث فخر ہے۔ اور دونوں صورتوں میں اصل کتاب کا انتساب تالیف علامہ نیموی ہی کا ہے۔

پہلی مرافقت کے نظیر حافظ زیلعی اور حافظ عراقی کی مرافقت ہے، حافظ ابن حجر کے بقول زیلعی ''نصب الرایہ'' میں عراقی سے معاونت لیتے، اور عراقی ''احیاء العلوم'' اور ''وفی الباب'' کی تخریج میں زیلعی مرحوم سے مدد لیتے[۸۶]۔

دوسری مرافقت کی نظیر احمد بن سلمہ اور امام مسلم رحمہ اللہ کی مرافقت ہے، احمد بن سلمہ کہتے ہیں کہ: ''میں مسلم کی جامع میں ان کے ساتھ تھا۔''

''تذکرۃ الحفاظ'' میں لکھا ہے: ''میں مسلم کے ساتھ ان کی کتاب صحیح مسلم کی تالیف میں ۱۵/ برس ساتھ رہا۔'' [۸۷]

چونکہ حضرت شاہ صاحب کا علامہ نیموی سے زانوئے تلمذ تہ کرنا کسی طرح ثابت نہیں، اس لیے اس مرافقت کو پہلی نظیر پر محمول کرنا زیادہ قرین قیاس ہے۔

(۴) - اس مرافقت کو معاصرین کے مذاکرت پر بھی محمول کیا جا سکتا ہے۔ محدثین کی روایت مذاکرہ اہل علم میں معروف ہے۔ اس مذاکرہ سے مراد تکرار و دہرائی نہیں، بلکہ کسی موضوع پر اظہارِ خیال ہے۔ جس کے ضمن میں مختلف روایات واحادیث آجاتی ہیں، جس میں طرفین کی آراء میں موافقت بھی ہوسکتی ہے، اور مخالفت بھی۔

فائدہ:

علامہ نیموی نے اپنا مسودہ ۱۴، ۱۳۱۳ھ کے آس پاس مکمل کرلیا تھا، جس کی طباعت ۱۸، ۱۳۱۷ھ میں جا کر ہوئی، علامہ کے فرزند کے یہاں کوئی دلیل نہیں ملتی، کہ بوقت طباعت اس مسودہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں ہوئی تھی، بظاہر تو مشاہدہ وتجربہ یہی ہے، کہ تکمیل مسودہ کے بعد بھی کتاب کے مضامین میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے۔

فائدہ: حکیم مولانا عبدالحئی صاحب نے دہلی اور اس کے اطراف میں ایک طالب علم مولوی مشیت اللہ برم پور کا تذکرہ کیا ہے، جو شعبان ۱۳۲۰ھ کو دیوبند سے تعلیم مکمل کرنے کے بعد واپس جا رہے تھے[۸۸]، برم پور اور بجنور میں گھنٹہ بھر کا ہی فاصلہ ہے۔

اگر تو یہ وہی مولانا مشیت اللہ ہیں، جو حضرت شاہ صاحب کے شریک درس تھے، تو پھر درج ذیل نکات واضح ہوجاتے ہیں:

۱-شاہ صاحب کا سن فراغ ۱۳۱۲ھ ہے۔

۲-شاہ صاحب ۱۳۱۲ھ کو بجنور نہیں گئے، کیونکہ یہ طالب علم اکیلے ہی سفر کر رہے تھے۔ تو بظاہر یہی ہوگا، کہ شاہ صاحب کشمیر تشریف لے گئے ہوں گے۔

اگر علامہ نیموی نے حضرت شیخ الہند سے ۱۳۱۲ھ میں رابطہ کیا ہو، تو شاہ صاحب کا کشمیر کا پتہ دینا کسی قسم کا موجب اشتباہ نہیں ہوگا۔

فائدہ:

روایت کے مطابق اس طالب علم مولانا مشیت اللہ نے اپنے اساتذہ پر تبصرے بھی کیے، جس کا حاصل یہ تھا، کہ مدرسہ دیوبند میں صرف حضرت شیخ الہند ہی لائق تدریس ہیں۔

اس روایت کو ڈاکٹر مبارک علی نے تاریخ اہل حدیث میں-بلاضرورت موضوع-بڑی نمایاں جگہ دے کر گویا ان اساتذہ دارالعلوم کا مقام عالی کم کرنے سعی نا مشکور کی ہے[۸۹]۔ پھر چند سطور کے بعد ہی حضرت شیخ الہند پر خیانت علمی، تحریف نصوص اور تقلید اعمی کے دلائل جمع کرنے کے ساتھ گویا یہ بتانا چاہ رہے ہیں، کہ یہ پورا جامعہ ہی نا اہل تھا۔ انا للہ!!

ڈاکٹر صاحب کو چند ملاحظہ طلب اُمور سے ذھول کی وجہ سے یہ روایت دلچسپ لگی، حالانکہ

۱-ایک طالب علم جس کا اپنا علمی مقام بھی غیر واضح تھا، اس کا تبصرہ کیسے معتبر ہوسکتا ہے؟

۲-''**اذا تم العقل، نقص الکلام**'' پر فائز اساتذہ کا مقام ایک مبتدی غیر تام العقل کیسے سمجھ سکتا ہے؟

۳-محدثین کے ہاں جرح الاقران غیر معتبر ہے، اور یہ جرح تو اس سے بھی نچلے درجے کی ہے، تو یہ کیسے معتبر ہوگئی؟

۴-یہ جروح، جروح مبہمہ کی قبیل سے ہیں، اہل حدیث کے لقب سے ملقب اہل علم کا ان کا اعتبار کرنا عجیب تر ہے۔

۵-مولانا مشیت اللہ کی جروح کا تعلق منطق وفلسفہ وغیرہ سے ہے، دینیات یعنی قران وحدیث اور فقہ سے نہیں۔ جیسا کہ روایت میں تصریح بھی ہے، اس پہلو سے تو یہ جرح، جرح ہی نہیں، توثیق ہے، کیوں کہ اہل حدیث حضرات کے یہاں منطق وفلسفہ کی تعلیم کا مرتبہ علی الاقل بدعت سیئہ ہے۔

۶-یہ جروح زمینی حقیقت کے بھی خلاف ہیں۔ چنانچہ معقولات میں مولانا غلام رسول کی مہارت تو خود خیر آبادی سلسلہ کے فاضل مولانا مناظر احسن گیلانی کرتے ہیں[۹۰]۔ ان اساتذہ کے کارنامے آج

بھی سامنے ہیں۔مولانا مشیت اللہ کی جرح کے غیر معتبر ہونے پر وافی شافی دلیل ہیں۔مثلاً مولانا خلیل احمد سہارنپوری کی ''**بذل المجهود**'' مولانا حبیب الرحمٰن کے عربی قصائد اور مولانا محمد احمد کا ریاست حیدر آباد کا مفتی اعظم ہونا۔

ذیل:

حیرانی اس امر پر ہے، کہ ڈاکٹر مبارک علی صاحب کو دہلی اور اس کے اطراف سے یہ نقول تو مل گئیں، جو خود مؤلف کا تبصرہ نہیں، بلکہ روایت کے طور پر نقل کی گئی ہیں۔لیکن خود مؤلف نے جو بچشم خود ملاحظہ کرنے کے بعد تبصرہ بھی کیا، اسے ڈاکٹر صاحب مرحوم نے بڑی خوبی سے چشم پوشی کی نظر کیا ہے۔یہ واقعہ سید نذیر حسین کے دروس سے متعلق ہے۔سید نذیر حسین کا تعارف ''الحیاۃ بعد المماۃ'' کے مطابق یہ ہے:'' آپ کا علم شریعت وطریقت مسلمات قطعیہ ویقینیہ میں سے تھا۔منطق وفلسفہ اور معقولات کا مدتوں درس دیا، ان علوم میں آپ کی دھوم تھی، ایک بار فقہ کے ایک مسئلہ پر ۴۰/کتابوں کے حوالے دیے۔حدیث میں مہارت کا یہ عالم تھا، کہ ابن حجر کے مقابلہ میں حدیث کی ۲۵، ۲۵/کتابوں کے حوالے دے دیا کرتے، ایک موقع پر حدیث: ''انما الاعمال'' کا درس ۲۷/دنوں تک دیا، آخر عمر میں حافظہ بدستور تھا، اور عجائب میں شمار ہوتا تھا، سینکڑوں بار صحاح کا درس دیا، خصوصاً صحیح بخاری تو (یا د صحیح سے بتانے پر) آپ نے کئی سو بار پڑھائی[91] انہی اوصاف کی بنیاد پر آپ کو ''شیخ الکل'' کے لقب سے ملقب کیا گیا۔ان کے تعارف کے بعد سید عبدالحئیؒ کا مشاہدہ وتبصرہ ملاحظہ ہو۔لکھتے ہیں:

''مولانا سید نذیر حسین کے یہاں ہدایہ، بیضاوی، مقدمہ مسلم، ہدایہ اور بخاری کا درس بالکل معمولی سادہ سادہ ہوا کرتا تھا، صحاح میں ابو داؤد کا صحیح نسخہ نہ ہونے کی وجہ سے درس متروک ہو چکا تھا، اسباق مالہ وماعلیہ سے خالی ہوا کرتے تھے، ایک مرتبہ شواہد میں اعشیٰ کا شعر آیا، بڑی دیر تک میاں صاحب مطلب نکالنے میں مصروف رہے، لیکن کامیاب نہ ہو سکے، درس میں ایک مرتبہ معمول سے زیادہ موشگافیاں ہونے لگیں، مولانا عبدالحئیؒ کا خیال یہ تھا، کہ ان کی موجودگی کے احساس نے میاں صاحب کو موشگافیوں پر اُبھارا، دوران درس نالائم الفاظ بھی کہا کرتے تھے، کبر سنی کی وجہ سے اخذ مطالب کے متحمل نہ تھے، اپنے خلاف بات نہ سن سکتے تھے، جلد خفا ہو جایا کرتے تھے، ان کے تلامذہ (جو خود کو ''خر'' سننا پسند کرتے تھے) سمجھدار، مستعد لیکن متعصب اور بے باک تھے۔''

یہ تاثرات مولانا عبدالحئیؒ حسنی صاحب نے صفحہ ۳۲ تا ۵۸/ میں بیان کیے ہیں، مولانا موصوف کی سید صاحب کے اسباق میں شرکت ۱۴/تا ۲۶/رجب رہی۔

فائدہ:

”تاریخ اہل حدیث“ جلد اول کے اواخر میں محمد شاہ جہان پوری کو مولانا ڈیانوی کا ”عون المعبود“ کی تالیف میں معاون قرار دیا گیا ہے۔**فما ھو جوابکم؟**

اسی کتاب میں علامہ رشید رضا مصری کے دورہ دیوبند پر خلاف واقعہ سطور بھی لکھی گئی ہیں۔ یقیناً حضرت شاہ صاحب کی عبقریت یا علماء اہل سنت دیوبند کا مقام ومرتبہ علامہ رشید رضا وغیرہ کی آراء پر موقوف نہیں، ان اکابر کے کارنامے ہی ان کے مقامات عالیہ کا تعین کرتے ہیں، لیکن صرف تصحیح تاریخ کے لیے گزارش ہے، کہ علامہ موصوف کا رسالہ ”المنار“ شعبان ۱۳۳۰ھ نیٹ پر موجود ہے۔احباب خود ہی ملاحظہ فرما کر، ڈاکٹر مبارک علی صاحب مرحوم کی دیانت وعدم دیانت کا فیصلہ کرسکتے ہیں۔**فالی اللہ المشتکی.**

فائدہ:

سید نذیر حسین کے بارے میں لکھا، کہ انہوں نے سینکڑوں بار صحاح اور بالخصوص صحیح بخاری ”کئی سو بار“ پڑھائی۔”کئی سو بار“ کو کم از کم ۳۰۰/ بار کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے، تو سال بھر میں اگر ایک بار کتاب ختم کراتے ہوں، جیسا کہ دستور ہے، لہٰذا ۳۰۰/ بار بخاری پڑھانے کے لیے-فراغت از تحصیل کے بعد-۳۰۰/سال درکار ہیں، جب کہ ”الحیاۃ بعد المماۃ“ کے مطابق صحاح کا ایک دورہ دو سال میں مکمل کراتے تھے، اس لحاظ سے ۳۰۰/ بار بخاری پڑھانے کے لیے ۶۰۰/ برس کی عمر چاہیے، جبکہ سید صاحب موصوف کی کل عمر بمشکل ۱۰۰/برس تھی، شاید طی زمان کی اس قدر بہترین نظیر کہیں نہیں ملے گی۔

نتائج بحث:

۱)-دعوی مرافقت کا تعلق پوری کتاب سے ہو، تو یہ مرافقت ومراسلت ۱۳۱۴ھ کے آس پاس شروع ہوگئی تھی۔اور کشمیر کا پتہ دیا جانا، اس کے یقینی اور غیر مبدل ہونے کی وجہ سے تھا، دونوں حضرات میں اس سے قبل ”جامع الآثار“ کے سلسلہ میں بھی مراسلت ہوچکی تھی۔

۲)-مرافقت کا تعلق صرف جزو ثانی سے ہو، تو اس صورت میں مراسلت فی کشمیر پر کوئی اشکال نہیں ہوگا، کیونکہ جزو اول ۱۳۱۸ھ میں طبع ہوا، اور ثانی ۱۳۲۱ھ میں۔جبکہ شاہ صاحب ۱۳۱۹ھ میں کشمیر تشریف لے گئے تھے۔تو جزو ثانی سے متعلق مراسلت کشمیر میں ہی ہوئی، باقی قصائد پر مدرسہ امینیہ کا ذکر ہونا بدایت خط و کتابت اور شہرت مقام ومکان کی وجہ سے ہے۔

۳)-دعوی مرافقت نقل کرنے والے متعدد لوگ ہیں۔ان میں ایسے حضرات بھی ہیں، جو شاہ صاحب کے شاگرد نہیں، معلوم ہوتا ہے، کہ یہ معاملہ شہرت پاچکا تھا۔

۴)۔حضرت شاہ صاحب اپنے اساتذہ کی نظر میں جوان العمر ہونے کے باوجود اس بار عظیم کے اہل تھے۔

۵)۔شاہ صاحب کے دعوی کی درستگی پر سمعی، بصری اور عقلی قرائن وافی طور پر موجود ہیں۔ان کے بارے میں انکار واستنکار کا خیال محض تعصب کا شاخسانہ ہے۔

[حواشی ومراجع]

۱۔مقدمہ التصریح:۱۳ ۲۔تقدس انور:۷۳ ۳۔مقدمہ تصریح:۱۳

۴۔ایضا:۱۴، یقیناً یہ فتوی نویسی با قاعدہ نہ ہوگی، لیکن شاہ صاحب کی منزلت کے بیان کیلئے کافی ہے۔

۵۔تقدس انور:۹۰ ۶۔نقش دوام:۲۸ ۷۔تقدس انور:۴۴

۸۔تصویر انور:۳۷،۴۷، حکیم واصل خان مرحوم حکیم محمود خان کے منجھلے فرزند اور حکیم اجمل خان کے بڑے بھائی تھے۔۱۳۲۳ھ میں تقریباً ۴۳ برس کی عمر میں وفات پائی۔سید یوسف بخاری نے ’یہ دلی ہے‘‘ میں، انتظار حسین نے ’’اجمل اعظم‘‘ میں ان کا تذکرہ کیا ہے، ’’نزہۃ الخواطر‘‘ میں حکیم محمود خان اور حکیم واصل خان کا تذکرہ نہیں مل پایا۔

۹۔مولانا عبیداللہ سندھی:۲۶، ۲۷ ۱۰۔ایضاً ۱۱۔نقش دوام:۱۱۶

۱۲۔ایضاً ۱۳۔ایضاً ۱۴۔ایضاً

۱۵۔ایضاً:۳۱ ۱۶۔ایضاً:۳۵ ۱۷۔آثار السنن، ط:بشری:۴۰۲

۱۸۔کتاب مذکور:۲۴۳ ۱۹:ماہنامہ انوار مدینہ جمادی الثانیہ۱۴۱۲ھ:۳۵ ۲۰۔آثار السنن، بشری:۴۰۸

۲۱۔آثار السنن، ط:۱۳۴۴ھ:۱۴۰ ۲۲۔ایضاً ۲۳۔ایضاً

۲۴۔شوق نیموی، حیات وکارنامے:۲۶۱ ۲۵۔آثار السنن، بشری:۴۰۱ ۲۶۔خیر السوانح:۱۰۲

۲۷۔نیل الفرقدین:۵۶ ۲۸۔الاتحاف:۱/۱۰ ۲۹۔تقدس انور:۲۲۱

۳۰۔تذکرۃ المناظرین ۳۱۔ایضاً:۱۵۸/۱ ۳۲۔الحیات بعد الممات:۳۰۸

۳۳۔شوق نیموی ۳۴۔قاسم العلوم:۸۰، ومابعد ۳۵۔انوار انوری

۳۶۔حیات شیخ الہند:۲۳۲ ۳۷۔انوار انوری ۳۸۔احسن القری:۲۷۱

۳۹۔ایضاً ۴۰۔تقدس انور ۴۱۔نقش دوام

۴۲:تاریخ دار العلوم رضوی:۴۴/۲ ۴۳۔نقش دوام:۳۱ ۴۴:یہ مندرجات صرف جلد ثالث کے ہیں

۴۵۔پیش نظر رہے، کہ مولانا لکھنوء، علامہ نیموی کے استاد ہیں۔

۴۶۔موقف العقل:۳۶۶/۳ ۴۷۔ایضاً:۳۶۷/۳ ۴۸۔ایضاً:۳۸۶/۳

۴۹۔ایضاً:۳۰۱/۳ ۵۰۔ایضاً:۳۲۱/۳ ۵۱۔انوار السوانح:

۵۲-تصویر انور:۲،۴۷ ۵۳-نقش دوام:۳۵،۷۶ ۵۴-حیات انوری:۵۷

۵۵-خیر السوانح:۱۰۷ ۵۶-انوار السوانح:۴۵۹

''نور الایضاح'' کا واقعہ اسی اصل کی روایت بالمعنی کا شاخسانہ ہے۔**وان ذکرہ نفس المؤلف**

۵۷-حیات شیخ الہند:۲۳۹،۲۴۰ ۵۸-انوار السوانح:۴۲۳،۴۲۴ ۵۹-نقش دوام:۸۱،۱۲۶

۶۰-ایضا:۱۲۶،۱۲۷ ۶۱-انوار الباری:۱/۴۲۱ ۶۲-تصویر انور:۳۹۷

۶۳-تذکرۃ الاعزاز:۴۱،۴۲ ۶۴-سوانح شاہ عبد القادر رائپوری:۵۲ ۶۵-ایضا

۶۶-ایضا:۴۸ ۶۷-انوار السوانح:۴۴۶ ۶۸-آثار السنن، ط:۱۳۲۱ھ

۶۹-یہ دونوں قصیدے، آثار السنن، جزو ثانی، ط:۱۳۲۱ھ کے آخر میں ہیں۔ ۷۰-ایضا

۷۱-مشہور شاعر مولانا گرامی، استاذ اقبال نےحضرت شاہ صاحب کی زبان دانی کا اعتراف یوں کیا: چہ فصاحت چہ بلاغت چہ معانی چہ بیان: جلوہ فرما است، در آغوش زبان انور۔ واقعہ یہ ہے، کہ یہ قصیدے ظاہری باطنی خوبیوں سے مالا مال ہیں، صنعت حدیث و ادب میں شاہ صاحب کی دستگاہ کے بین شاہد!

۷۲-آثار السنن، ط: بشری:۳۳۳ ۷۳-**التعلیق المغنی**:۲/۳۱۴ ۷۴-احسن القری:۲۶۶

۷۵-الکتاب المستطاب فی جواب فصل الخطاب: قدم قدم پر یہ شگوفے چھوڑے گئے ہیں۔ امثلہ ملاحظہ ہوں!

مولانا عبد اللہ روپڑی کی حضرت شاہ صاحب کے بارے میں پیش کردہ عبارات کو ہم تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

۱-:**"لا يعرف الفقه والقران والحديث والأصول والقواعد والنحو ولامذهبه."**

۲-:**"لامس له بالقران والحديث ولابالأدب القديم والحديث."**

۳-:**"ليس له حظ من العلم."**

نیز روپڑی صاحب کے تشبیہات شعریہ کے مطابق شاہ صاحب: **"الصبی، الزنجی، حاطب ليل، الغريق، المسكين، الظالع، يخبط خبط العشواء، طحا بعقله الطوائح."** ہیں۔

مزید عبارات کے مطابق:

"تصدر منک الامور، وهی لک شرور - تخبط عقله الغول، أشرب فی قلبه العجل، صاحب سوء الظن"

نیز ''انور شاہ عقل و فہم سے عاری ہے۔ بکثرت جھوٹ بولتا ہے، احادیث میں تشکیک پیدا کرتا ہے۔''

''جھوٹا حوالہ لاتا ہے، اس کی نقل غیر معتمد ہے۔''

شاہ صاحب یقیناً ایسی عبارات پر: **فمضيت ثمة، قلت لايعنيني، وخيرمن إجابته السكوت** پڑھ کر گزر جاتے ہوں گے۔ شاعر نے سچ کہا ہے۔ **وإذاأتتک مذمتی من ناقص: فهی الشهادة لی بأنی كامل.**

۷۶-تقدس انور:۱۳۰ ۷۷-تقدس انور:۹۸ ۷۸-انوارِ انوری:۱۳۰

۷۹-تقدس انور:۲۲۱ ۸۰-ایضا:۲۶۹

۸۱–حق تو یہ ہے، کہ موضوع کی مناسبت سے الاتحاف سے اضافات نقل کیے جاتے، لیکن مضمون نگار کی نا اہلی استفادہ سے مانع ہے۔ ۸۲–نیل الفرقدین: ۳۰، ۳۴، ۴۷ ۸۳–ماہنامہ انوار مدینہ

۸۴–تقدم وتاخر کا اشکال درست نہیں، جبکہ ان دونوں حضرات میں ۲۰ رسال کی معاصرت موجود ہے، موافقت کے لیے اتحاد زمانہ ومحل ضروری نہیں، حضرت مجدد سرہندی نے ابو منصور ماتریدی سے موافقت فی الاجتہاد کا قول اختیار کیا ہے، (مکتوبات امام ربانی) وبینہما قرون

۸۵–مطالعہ بریلویت: ۱/۱۵۵ ۸۶–الدرر الکامنۃ: ۲/۳۱۰ (۲۲۵۰) ۸۷–تذکرۃ الحفاظ: ۲/۱۲۶

۸۸–دہلی اور اس کے اطراف

۸۹–تاریخ اہل حدیث: ۱/...... **واقول لہ: فغض الطرف فانک من نمیر: لا کعبا بلغت ولا کلابا.**

۹۰–احاطہ دار العلوم میں بیتے ہوئے دن:

۹۱–الحیات بعد الممات کے یہ صفحات ملاحظہ ہوں: ۵۶، ۶۹، ۱۲۸، ۱۶۲، ۱۹۹، ۲۱۲، ۲۳۲

[مصادر]

حیات شیخ الہند سید اصغر حسین — تقدس انور عبد الرحمٰن کوندو — انوار انوری محمد انوری

نقش دوام انظر شاہ — انوار السوانح ڈاکٹر غلام محمد — موقف العقل شیخ مصطفیٰ صبری

التصریح مفتی شفیع عثمانی — تذکرۃ الاعزاز انظر شاہ — قاسم العلوم نور الحسن راشد

نفحۃ العنبر سید محمد یوسف بنوری — آثار السنن ظہیر احسن — الحبل المتین ظہیر احسن

جلاء العینین ظہیر احسن — عمدۃ العناقید ظہیر احسن — انوار مدینہ ماہنامہ

نیل الفرقدین سید انور شاہ — الحیاۃ بعد المماۃ مولانا فضل حسین — شوق نیموی ڈاکٹر عتیق الرحمٰن

حیات عبد الحئ ابو الحسن ندوی — انوار الباری سید احمد رضا بجنوری — مطالعہ بریلویت علامہ خالد محمود

تاریخ دار العلوم قاری محمد طیب — تاریخ دار العلوم محبوب رضوی — التعلیق المغنی شمس الحق

تذکرۃ المناظرین مقتدیٰ اثری — تصویر انور، سید ازہر شاہ قیصر — خیر السوانح سید آفتاب احمد

حیات انوری محمد فاروق — تاریخ اہل حدیث ڈاکٹر مبارک علی — دہلی اور اس کے اطراف سید عبد الحئ

حیات شاہ عبد القادر رائے پوری ابو الحسن ندوی — عبید اللہ سندھی سید محمد احمد، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ ۲۰۰۳ء

☆......☆......☆......☆

به سلسلہ زبیر علی زئی کا تعاقب

مفتی رب نواز حفظہ اللہ

علی زئی جواب پر ایک نظر

قسط: ۱۵

زبیر علی زئی:

اس صحیح اثر[624] کے مقابلہ میں غالی مقلدین[625] درج ذیل روایات پیش کرتے ہیں:

۱: عن یحیی بن سعید[626] عن عمر بن الخطاب انه امر رجلا ان یصلی بهم عشرین رکعة.
(بحوالہ ابن ابی شیبہ: ۳۹۳/۲)

۲: عن الحسن[627] ان عمر بن الخطاب جمع الناس علی ابی بن کعب فکان یصلی بهم عشرین رکعة. (''بحوالہ نسخہ ابوداود، مطبوعہ عرب: ۱۴۲۹'')

۳: عن ابی بن کعب[628] ان عمر بن الخطاب امره ان یصلی باللیل فی رمضان فصلی بهم عشرین رکعة. (بحوالہ کنزالعمال: ۲۶۴/۸)

۴: عن السائب بن یزید[629] ان عمر بن الخطاب جمع الناس فی رمضان علی ابی بن کعب و تمیم الداری علی احدی و عشرین رکعة. الحدیث (بحوالہ عبدالرزاق: ۲۶۰/۴)

یہ سب حوالے ماسٹر امین اوکاڑوی[630] دیوبندی نے ''تحقیق مسئلہ تراویح[631]'' میں پیش کیے تھے۔
(ص ۲۴ تا ۲۵)

روایت نمبر ۱ رکی سند منقطع ہے[632]۔ (دیکھئے حاشیہ آثار السنن: ۷۸۰)

روایت نمبر ۲ رکی سند بھی منقطع ہے[633]، نیز سنن ابی داود کے کئی نسخوں[634] میں ''عشرین رکعة'' کی بجائے ''عشرین لیلة'' لکھا ہوا ہے اور یہی متن راجح ہے[635]۔

عینی حنفی[636] نے بھی حسن عن عمر والی سند کے بارے میں لکھا ہے: اس روایت میں انقطاع ہے کیوں کہ حسن (بصری) نے عمر بن خطاب کو نہیں پایا۔ (شرح سنن ابی داود: ۳۴۳/۵)

روایت نمبر ۳ رکی سند بھی منقطع ہے[637]، جیسا کہ آثار السنن کی حدیث نمبر ۷۸۱ رکے حاشیے سے ثابت ہے۔

روایت نمبر ۴ رکی سند امام عبدالرزاق (ثقہ مدلس) کی وجہ سے ضعیف ہے[638]، نیز مؤطا امام مالک کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر بھی ہے[639]۔

الجواب:

٦٢٤

اس کے متعلق ہماری اِسی کتاب (حاشیہ: ٦١٥......اور......٦٢٣) میں بحث ہو چکی۔ مزید تذکرہ

آئندہ (حاشیہ: ۶۳۹ر میں) آئے گا، اِن شاءاللہ۔

۶۲۵

یاد رہے کہ علی زئی صاحب کے نزدیک ''غالی'' کا لفظ گالی ہے۔ حوالہ ہماری اِسی کتاب میں کسی جگہ منقول ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح کا ثبوت تو غیر مقلدین بھی مانتے ہیں۔ حوالہ جات حاشیہ: ۶۳۸ر میں دیکھیں۔ تو کیا وہ بھی اس وجہ سے ''غالی مقلدین'' کی فہرست میں شامل ہیں؟

۶۲۶

اس کا ترجمہ یہ ہے: یحیٰی بن سعید سے روایت کیا گیا، انہوں نے عمر بن الخطاب سے روایت کیا کہ: بلاشبہ انہوں نے ایک آدمی کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بیس (۲۰) رکعتیں پڑھائے۔

۶۲۷

ترجمہ: حسن سے روایت کیا گیا ہے کہ: بلاشبہ عمر بن الخطاب نے لوگوں کو اُبی بن کعب (کی اقتداء) پر جمع کیا۔ پس وہ انہیں بیس رکعتیں پڑھایا کرتے تھے۔

۶۲۸

ترجمہ: اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ: بے شک عمر بن الخطاب نے انہیں رمضان کی رات میں نماز پڑھانے کا حکم دیا، پس انہوں نے انہیں بیس رکعتیں پڑھائیں۔

۶۲۹

ترجمہ: السائب بن یزید سے روایت ہے کہ: بلاشبہ عمر بن الخطاب نے لوگوں کو رمضان میں اُبی بن کعب اور تمیم داری کی اقتداء میں اکیس رکعتیں پڑھنے پر جمع کیا۔

۶۳۰

حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ اہلِ سنت احناف دیوبند کے مصنف تھے اور مناظر بھی۔ علی زئی صاحب کے استاد بدیع الدین راشدی سے بھی اُن کا مناظرہ ہوا۔ یہ مناظرہ کیسٹوں میں ریکارڈ مل جاتا ہے اور تحریری شکل میں بھی دستیاب ہے، اسے سنیں اور پڑھیں۔ کچھ عرصہ پہلے غیر مقلدین کے مناظر عمر صدیق کی آڈیو ریکارڈنگ سنی جو اُنہوں نے غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری کے جواب میں ریکارڈ کی۔ اس میں رانا شمشاد سلفی کا تذکرہ ہے۔ اس کے ضمن میں یہ بھی کہا کہ اوکاڑوی صاحب نے شیخ بدیع الدین راشدی سے مناظرہ کیا۔ اس مناظرہ میں مناظرہ کی فنی وتکنیکی خوبیوں میں امین اوکاڑوی کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ پوری دنیا کے حنفیوں نے جشن منایا کہ ہم نے اہلِ حدیثوں کے دادا اَبو کو شکست دے دی ہے۔

میں نے عمر صدیق کی گفتگو کا اپنے الفاظ میں تذکرہ کیا۔ یہ ریکارڈنگ واٹس گروپس میں مل جاتی ہے۔

٦٣١

حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ کا رسالہ ’’تحقیق مسئلہ تراویح‘‘ اُن کی کتاب ’’تجلیات صفدر‘‘ [جلد سوم طبع ملتان] میں شامل ہے۔

٦٣٢ ’’روایت نمبر ا کی سند منقطع ہے۔‘‘

(ا)......انقطاع سند کے آخر میں ہے۔ سند کے آخر میں انقطاع ہونے کی صورت میں حدیث کو ’’مرسل‘‘ کہا جاتا ہے۔

سلطان محمود جلال پوری غیر مقلد نے حدیث مرسل کی تعریف یوں لکھی:

’’جس حدیث میں انقطاع سند کے آخر میں ہو۔‘‘ (اصطلاحات المحدثین: ۱۳)

ابو محمد خرم شہزاد محمدی غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’مرسل لغت میں اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ ارسل سے مشتق ہے، جس کے معنی کھلا چھوڑنے کے ہیں، مرسل کو مرسل اِس لئے کہتے ہیں کہ منتہائے سند کو کسی راوی معین کے ساتھ مقید نہیں کیا جاتا ہے۔‘‘

(اصول حدیث واصول تخریج: ۱۲۲، ناشر: مکتبۃ التحقیق و التخریج، اشاعت اول: اپریل ۲۰۱۷ء)

وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’مالکؒ اور ابوحنیفہؒ اور احمدؒ اور اکثر فقہاء کا قول یہ ہے کہ مرسل روایت حجت ہے جب اس کا راوی ثقہ ہو۔‘‘ (تشریح صحیح مسلم مترجم: ۱/۶۵، اسلامی کتب خانہ)

اس عبارت میں ’’اکثر فقہاء‘‘ ہے۔ اور غیر مقلدین کے ہاں محدثین ہی اصلی فقہاء ہیں۔

علی زئی صاحب کو یہ اعتراف ہے کہ علمائے اہل سنت دیوبند کے ہاں حدیث مرسل حجت ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ’’روایت مرسل ہے جو کہ بریلویہ و دیوبندیہ کے نزدیک حجت ہے۔‘‘ [علمی مقالات: ۶/۳۲۸] مزید دیکھئے: علمی مقالات: ۶/۴۵۴

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’امام شافعی سے پہلے جمہور اہلِ علم مرسل کو حجت سمجھتے رہے، سب سے پہلے اس کے متعلق تنقید امام شافعی نے فرمائی۔‘‘ [مقالات حدیث: ۳۷۱]

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے والے اہل علم یعنی متقدمین کے ہاں مرسل حدیث حجت ہے۔ اور علی زئی صاحب لکھتے ہیں: ’’متقدمین کے مقابلے میں متأخرین کی بات کب مسموع ہوسکتی ہے۔‘‘ [نور العینین: ۱۳۷، اشاعت: اکتوبر ۲۰۱۲ء، مکتبہ اسلامیہ]

(۲)......حدیث مرسل معتضد کو امام شافعی رحمہ اللہ بھی حجت سمجھتے ہیں بلکہ غیر مقلدین بھی اسے حجت قرار

دے کر اس پہ عمل کا اظہار کرتے ہیں۔

عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد لکھتے ہیں:

''اگر یہ حدیث مرفوعاً غیر محفوظ اور مرسلاً محفوظ ہے تو بھی حجت ہے کیوں کہ حدیث عبادہ وغیرہ سے اس کا اعتضاد ثابت ہے اور مرسل معتضد کے حجت ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ شرح نخبہ: ۳۵؍ میں ہے: فذهب جمهور المحدثين الى التوقف لبقاء الاحتمال وهو احد قولى احمد وثانيها وهو قول المالكيين والكوفيين يقبل مطلقاً.''

[تحقیق الکلام: ۱؍۹۵، ناشر: عبدالتواب اکیڈمی ملتان، اشاعت: ستمبر؍۲۰۰۰ء]

اس عبارت میں یہ بھی اعتراف ہے کہ مرسل حنفیہ، مالکیہ اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے ایک قول کے مطابق مطلقاً قبول ہے۔

عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں: ''یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے، لیکن اس کا اعتضاد دیگر طرق سے ثابت ہے، لہٰذا مقبول ہے۔'' [فتاویٰ اہلِ حدیث: ۱؍۱۱۳]

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد نے مرسل معتضد کے حجت ہونے کی بات لکھی ہے۔

[الدلیل الطالب: ۳۲۵]

مرسل معتضد کی حجیت کے بعد اس کی تعریف پڑھیں:

مرسل معتضد کا مطلب یہ ہے کہ اس مرسل کی تائید کسی دوسری روایت (خواہ وہ مسند ہو یا مرسل) سے ہو چکی ہو، یا اس پر صحابہ کرام یا اکثر علماء نے عمل کیا ہو۔

[مقدمہ مسلم للنووی: ۱۷، شرح نخبۃ الفکر: ۵۱، زاد المعاد: ۱؍۱۰۳، بحوالہ رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ: ۱۰۱]

نووی کی عبارت یہ ہے:

''ومذهب مالك و ابى حنيفة واحمد واكثر الفقهاء انه يحتج به و مذهب الشافعى انه اذا انضم الى المرسل ما يعضده احتج به وذلك بان يروى مسند او مرسلا من جهة اخرى او يعمل به بعض الصحابة او اكثر العلماء.'' [مقدمہ نووی بر شرح مسلم: ۱۷]

ترجمہ: مالک، ابوحنیفہ، احمد اور اکثر فقہاء کا مذہب کہ مرسل سے احتجاج کیا جائے گا اور شافعی کا مذہب ہے کہ جب مرسل کے ساتھ کوئی ایسی چیز مل جائے جو اسے تقویت دے تو تب مرسل حجت ہوگی، مثلاً: یہ کہ وہ مسنداً بھی مروی ہو یا دوسری سند سے مرسل مروی ہو یا بعض صحابہ یا اکثر علماء نے اس پر عمل کیا ہو۔

عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد نے حدیث مرسل کی بابت شرح نخبۃ الفکر کی عبارت اپنی تائید میں نقل کی:

''وقال الشافعى يقبل ان اعتضد بمجيئه من وجه آخر يباين الطريق الاولى مسندا

کان اور مرسل لیترجح احتمال کون المحذوف ثقة فی نفس الامر .''

[تحقیق الکلام: ۹۵/۱، ناشر: عبدالتواب اکیڈمی ملتان، اشاعت: ستمبر/۲۰۰۰ء]

اِس عبارت سے یہ بھی ثابت ہوا کہ مرسل کی تائید میں خواہ مسند روایت ہو یا مرسل تب مرسل معتضد بن کر قبولیت کا درجہ پا لیتی ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی اگر مرسل کی تائید ضعیف حدیث سے بھی ہو جائے تو مرسل روایت قوی ہو جاتی ہے۔[نتائج الافکار فی تخریج احادیث الاذکار: ۹/۵]

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ شافعی المسلک مشہور ہیں، مگر علی زئی صاحب کے ہاں ''غیر مقلد'' ہیں۔ جیسا کہ ہم نے اپنی اسی کتاب میں علی زئی کے رسالہ ''اوکاڑوی کا تعاقب'' سے اپنے مقام پر نقل کر دیا ہے۔

علی زئی صاحب نے اس مرسل روایت کے بعد جو روایات نقل کی ہیں اُن سے اس کی تائید ہو گئی اور اسے اعتضاد حاصل ہو گیا۔ اور اوپر منقول ہوا کہ خود غیر مقلدین کے ہاں بھی مرسل معتضد حجت ہے۔ لہٰذا علی زئی صاحب کا اسے ضعیف کہہ کر رَد کر دینا درست نہیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے بھی کہا ہے کہ مرسل روایت کا مؤید ضعیف روایت بھی ہو تب بھی وہ حجت ہے۔[حجۃ اللہ البالغۃ: ۱۴۰/۱، بحوالہ رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ: ۱۰۲]

شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حنفی بزرگ ہیں مگر غیر مقلدین انہیں اپنا اہلِ حدیث و غیر مقلد کہا کرتے ہیں۔

۶۳۳

اس کا جواب بھی وہی ہے جو اوپر حاشیہ: ۶۳۲/ میں درج ہے۔

مزید یوں بھی غور کریں کہ بہ اعترافِ آلِ غیر مقلدیت کسی حدیث کی سند میں اگر ضعف ہو لیکن اس پر اُمت کا تعامل و توارث ہو تو اس کا سندی ضعف ختم ہو جاتا ہے اور وہ حدیث متن کے لحاظ سے صحیح شمار ہوتی ہے۔ حوالے ملاحظہ ہوں۔

ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد لکھتے ہیں: ''بعض ضعف ایسے بھی ہیں جو اُمت کی تلقی بالقبول سے رفع ہو گئے ہیں۔''[اخبار اہلِ حدیث امرتسر، ۱۹/ اپریل ۱۹۰۷ء]

قاضی شوکانی غیر مقلد نے امام خطابی کے حوالہ سے لکھا: ''یہ ایسی حدیث ہے کہ فقہاء نے بالاتفاق اس حدیث کو قبول کیا ہے، جو اِس بات کی دلیل ہے کہ اِس کی کوئی اصل ہے، اگرچہ اس کی سند میں کلام ہے، جیسا کہ فقہاء نے ''لا وصیة لوارث'' والی روایت کو قبول کر کے اس سے احکام مستنبط کئے ہیں حالاں کہ اس کی سند میں جو ضعف ہے وہ ظاہر ہے۔''[نیل الاوطار: ۲۳۸/۵]

صلاح الدین یوسف غیر مقلد نے تو لا وصیة الخ سے قرآن کی آیت کا منسوخ ہونا تسلیم کیا ہے۔

چنانچہ انہوں نے قرآنی آیت کتب علیکم اذا حضر احدکم الموت ان ترک خیرا الوصیة الخ کے تحت لکھا:

''وصیت کرنے کا یہ حکم آیت مواریث کے نزول سے پہلے دیا گیا۔اب یہ منسوخ ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے:ان اللہ قد اعطی کل ذی حق حقہ فلاوصیة لوارث (اخرجہ السنن بحوالہ ابن کثیر) اللہ تعالیٰ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے (یعنی ورثا کے حصہ مقرر کر دیئے ہیں) پس اب کسی وارث کے لئے وصیت کرنا جائز نہیں۔'' [تفسیری حواشی:۷۲]

محمد اسماعیل سلفی غیر مقلد نے ابن ماجہ کی ایک ضعیف روایت کو پیش کرتے ہوئے لکھا: ''اس حدیث کی سند بالاتفاق ضعیف ہے، لیکن اس زیادت کو تمام امت نے بالاتفاق قبول کیا ہے۔''
[رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نماز:۱۲]

اسماعیل سلفی صاحب نے دوسری جگہ ایک حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھا: ''ابن ماجہ کی روایت کو ضعف کے باوجود جمہور اُمت نے قبول فرمایا ہے۔'' [تحریک آزادی فکر:۳۳۴]

غیر مقلدین کے فتاویٰ میں لکھا ہے: ''ضعیف حدیث جب کہ قرون مشھود لھا بالخیر (خیر القرون، (ناقل)] میں معمول بہ ہو وہ اُمت کے ہاں قبول ہے۔'' [فتاویٰ علمائے حدیث:۶/۷۶]

غیر مقلدین کی ان نقول سے معلوم ہوا اگر کسی حدیث کی سند میں کمزوری ہو لیکن اُس پر اُمت یا جمہور کا عمل ہو تو وہ مقبول حدیث شمار ہوگی۔اَب اِس اُصول کے پیش نظر دیکھتے ہیں کہ بیس تراویح والی حدیث کو کس قدر عملاً مقبولیت ملی۔

سائب بن یزید فرماتے ہیں: کانوا یقومون علی عهد عمر بن الخطاب فی شهر رمضان بعشرین رکعة. '' [السنن الکبری للبیهقی :۲/۴۹۶] ترجمہ: لوگ (صحابہ وتابعین) عمر بن خطاب کے زمانہ میں رمضان کے مہینہ میں بیس رکعات کے ساتھ قیام کیا کرتے تھے۔

ایوب صابر غیر مقلد نے اِس حدیث کے متعلق لکھا:

''اِس حدیث کی سند بلاغبار صحیح ہے۔'' [تحقیق تراویح:۵۱]

عبدالقدوس گوڑگانوی غیر مقلد لکھتے ہیں:

''مسئلہ تراویح کے ایک اثر کی تحقیق کے زیرِ عنوان مولانا محبّ اللہ شاہ صاحب آف پیر جھنڈا کا ایک مقالہ ''الاعتصام'' ۱۹/ذی الحجہ ۱۳۸۶ء میں نظر سے گذرا، جس میں شاہ صاحب نے اس اَثر کو جس کے راوی سائب بن یزید ہیں اور جو سنن کبری بیہقی میں بایں الفاظ مذکور ہے **کانوا یقومون علی عهد عمر ابن الخطاب رضی الله تعالیٰ عنه فی شهر رمضان بعشرین رکعة.** کی توثیق فرما کر صحیح

قرار دیا ہے۔‘‘[ہفت روزہ: الاعتصام لاہور، ۲ رجون ۱۹۶۷ء:۲]

محبّ اللہ شاہ راشدی غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’یہ بھی ٹھیک ہے کہ جولوگ ۲۰ رکعات ادا کرتے تھے عہد عمر میں جیسا کہ سنن الکبریٰ بیہقی میں ہے جس کی سند بھی جید ہے۔‘‘[مقالاتِ راشدیہ: ۱/۳۶۲]

علامہ ابن تیمیہ رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

’’قد ثبت ان أُبی بن کعب کان یقوم بالناس عشرین رکعة فی رمضان ویو تر بثلاث فرأی کثیر من العلماء ان ذالك هو السنة لانه قام بین المهاجرین والانصار ولم ینكر منكر.‘‘

[فتاویٰ ابن تیمیہ: ۲۳/۱۱۲، بحوالہ حدیث اور اہلِ حدیث: ۶۵۳]

ترجمہ: یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ لوگوں (صحابہ و تابعین) کو رمضان المبارک میں بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے، لہٰذا بہت سارے علماء نے اِسی کو سنت قرار دیا کیوں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے بیس رکعتیں حضرات انصار و مہاجرین رضی اللہ عنہم کی موجودگی میں پڑھائی تھیں اور کسی نے انکار نہیں کیا۔

غیر مقلدین کے ہاں صاحب کرامت سمجھے جانے والے بزرگ غلام رسول نے لکھا:

’’حضرات صحابہ کرام، ائمہ اربعہ اور مسلمانوں کی عظیم جماعت کا عمل یہ ہے کہ وہ حضرت عمر فاروقؓ کے زمانہ سے لے کر اِس وقت تک مشرق و مغرب میں تیئیس رکعت ہی پڑھتے رہے، بخلاف اِس غالی مفتی کے کہ وہ اِس کو بدعت اور مخالف سنت کہتا ہے اور افراط کی راہ پہ چلتا ہے۔‘‘[رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع:۹]

تیئیس (۲۳) رکعات میں بیس رکعتیں تراویح کی ہیں اور تین وتر۔

عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں: ’’حضرت عمرؓ وغیرہ کے زمانہ میں بیس (تراویح) پڑھی گئیں۔‘‘

[اہلِ حدیث کے امتیازی مسائل:۹۹]

بیس رکعات تراویح پر تعامل کا یہ عالَم ہے کہ کئی محدثین نے اِسے اجماع یا مثل اجماع قرار دیا ہے۔ چند نقول ملاحظہ ہوں۔

محدث ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’لکان ما فعله عمر رضی الله عنه واجمع الصحابة فی عصره اولی بالاتباع.‘‘[المغنی: ۱/۸۰۳] یعنی جو طریقہ بیس تراویح کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے رائج کیا اور صحابہ کرام نے اُن کے زمانہ میں اس پر اجماع کیا وہ اتباع کے زیادہ لائق ہے۔

شارح بخاری علامہ قسطلانی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: ’’وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر رضی الله عنه كالاجماع.‘‘[ارشاد الساری: ۳/۴۲۶] ترجمہ: اور بیس تراویح کا جو طریقہ عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ واقع ہوا، اِجماع کی مانند ہے۔

امام ولی الدین ابوزرعہ عراقی نے بھی لکھا: ’’ وعدوا ما وقع فی زمن عمر رضی اللہ عنہ کالاجماع. ‘‘[طرح التثریب:۸۸/۳] ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جو طریقہ بیس تراویح کا رائج ہوا، اُس کو اہلِ علم نے اجماع کی طرح شمار کیا ہے۔

علامہ ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’ وھو الصحیح عن اُبی بن کعب من غیر خلاف من الصحابۃ. ‘‘[الاستذکار:۷۰/۲] ترجمہ: بیس تراویح ہی حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ سے صحیح طور پر ثابت ہے اور کوئی صحابی اِس کے خلاف نہیں۔

امام تقی الدین ابوبکر الجھنی فرماتے ہیں: ’’ فجمعھم علی اُبی بن کعب وواظب لھم عشرین رکعۃ واجمع الصحابۃ معہ علی ذالک. ‘‘[کتاب الاخیار:۱۷۲/۱] ترجمہ: حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو حضرت اُبی بن کعب پر جمع فرمایا اور بیس تراویح اُن کے لئے ہمیشہ کے لئے مقرر فرمائیں اور سب صحابہ نے حضرت عمر کے ساتھ بیس تراویح پر اجماع و اتفاق کیا۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ’’اجماع ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اِس پر کہ تراویح بیس رکعات ہیں۔‘‘[مظاہر حق قدیم:۴۳۶/۱]

محدثین کے حوالوں کے بعد یہاں نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کا حوالہ بھی پڑھ لیں۔ نواب صاحب نے لکھا: ’’ وقد عدوا ما وقع فی زمن عمر کالاجماع. ‘‘[عون الباری:۳۱۷/۱] یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جو بیس تراویح رائج ہوئی، اُسے علماء نے اجماع کی طرح سمجھا۔

تنبیہ : اجماع یا مثل اجماع کے مذکورہ بالا حوالے بندہ حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب کی کتاب ’’رکعاتِ تراویح، ایک تحقیقی جائزہ: ۲۰۴، ۲۰۵‘‘ سے نقل کیے ہیں۔

فائدہ:

اوپر باحوالہ مذکور ہوا کہ بیس رکعات تراویح پڑھنے پر اُمت کا تعامل رہا ہے۔ پروفیسر محمد عبداللہ بہاول پوری غیر مقلد کہتے ہیں کہ: حدیث سے استدلال کی بجائے مسئلہ تعاملِ اُمت سے لینا چاہیے، ورنہ اختلافات پیدا اور فتنے کھڑے ہوں گے۔ مزید یہ کہ وہ تعامل کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا عکس کہتے ہیں۔

چنانچہ وہ قومہ میں ہاتھ باندھنے کے مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

’’جو لوگ ہاتھ باندھتے ہیں، وہ تعامل اُمت کو نہیں دیکھتے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کا عکس ہے۔ وہ حدیث کے الفاظ سے استدلال کرتے ہیں۔ انہیں معلوم نہیں کہ نماز کا تعلق جتنا پریکٹیکل سے ہے، اتنا حدیث کے الفاظ سے نہیں۔ نماز کا عمل حدیث سے پہلے ہے۔ لوگوں نے نماز حدیث سے نہیں بلکہ اہلِ

حدیث سے سیکھی ہے۔ نماز لوگوں نے اپنے اسلاف سے سیکھی ہے۔ جیسے اُن کو دیکھا، ویسے پڑھی۔ اِس لیے جہاں حدیث سے استدلال کا سوال پیدا ہوگا جیسا کہ پیر (علی زئی کے استاد بدیع الدین راشدی غیر مقلد [ناقل]) صاحب ''اذا کان قائما'' کے عموم سے استدلال کرنا شروع کیا ہے۔ اُس وقت اُمت کی نماز کو دیکھا جائے گا اور حدیث کے الفاظ کا وہی مطلب لیا جائے گا، جس کی تصدیق اُمت کا عمل کرے۔ امت کے عمل کو بطور دلیل پیش کرنا پیر صاحب جیسوں کے قیاسوں سے ہزار درجے بہتر ہے کیوں کہ حدیث کے الفاظ بعد میں ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل پہلے۔ صحابہ حضور کو دیکھ کر نماز پڑھتے تھے۔ حدیث کے الفاظ سے استدلال کر کے نماز نہیں پڑھتے تھے۔ نماز کے سلسلہ میں حدیث سے استدلال کرنے کا طریقہ بہت بعد میں شروع ہوا ہے اور اسی وقت سے اختلافات پیدا ہوئے ہیں۔ اگر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمل کو دیکھتے جو تعامل امت کی صورت میں چلا آ رہا تھا تو یہ فتنہ کبھی کھڑا نہ ہوتا۔'' [رسائل بہاول پوری:۷۹۲]

پروفیسر صاحب کے بقول حدیث سے استدلال کرنے سے اختلافات پیدا ہوئے اور فتنے کھڑے ہوئے۔ پروفیسر صاحب کے اس دعویٰ پر غیر مقلدین کیا تبصرہ کرتے ہیں، ہمیں اس کا انتظار ہے۔

۶۳۴

علی زئی صاحب کی عبارت ''سنن ابی داوٗد کے کئی نسخوں میں ''عشرین رکعة'' کی بجائے ''عشرین لیلة'' لکھا ہوا ہے۔'' میں اعتراف ہے کہ ''عشرین رکعة'' اور ''عشرین لیلة'' نسخوں کا اختلاف ہے، لہٰذا غیر مقلدین کا ''عشرین رکعة'' کو تحریف قرار دے کر دیوبندیوں پہ الزام لگانا غلط ہے۔

اور یہ الزام اِس لیے بھی غلط ہے کہ آج سے کئی صدیوں پہلے درج ذیل محدثین نے ابوداوٗد سے ''عشرین رکعة'' نقل کیا ہے۔

امام ذہبی رحمہ اللہ۔ [سیر اعلام النبلاء:۱/۴۰۴]

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ۔ [جامع المسانید والسنن، رقم الحدیث:۲۶]

امام ابن قدامہ رحمہ اللہ۔ [المغنی:۵۸۰/۲]

حافظ ولی الدین عراقی رحمہ اللہ۔ [الاطراف باوھام الاطراف:۳۴]

یہ حوالے ''رکعاتِ تراویح، ایک تحقیقی جائزہ:۱۱۴'' سے منقول ہیں۔

اِسے تحریف قرار دینے کا الزام اِس لیے بھی غلط ہے کہ متعدد محدثین نے اِسے ابوداوٗد سے ''عشرین رکعة'' نقل کیا ہے مگر غیر مقلدین سے پہلے کسی مستند محدث نے اسے تحریف نہیں کہا۔ اسے تحریف کا عنوان دینا غیر مقلدین کی اولیات اور سینہ زوریوں میں سے ہے۔ اور مزید افسوس ناک بات یہ ہے کہ ایک غیر مقلد نے تو اس پر مستقل رسالہ لکھ مارا۔ انا للہ و انا الیه راجعون.

علی زئی صاحب نے تسلیم کیا:

''سنن ابی داوٗد کے کئی نسخوں میں ''عشرین رکعة'' کی بجائے ''عشرین لیلة'' لکھا ہوا ہے۔''

اگلی بات عبدالرحمٰن مبارک پوری غیر مقلد کی زبانی سنیں:

''کتب حدیث میں متعدد روایات اور عبارات ایسی ہیں جو بعض نسخوں میں ہیں اور بعض نسخوں میں نہیں مگر کوئی بھی ان کو الحاقی نہیں بتلاتا۔'' [تحقیق الکلام:۱۴۹/۲]

۶۳۵

علی زئی صاحب نے ''عشرین لیلة'' کے متعلق لکھا:

''یہی متن راجح ہے۔'' اِس سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ علی زئی کے نزدیک بات راجح اور مرجوح کی ہے، نہ کہ تحریف اور عدم تحریف کی۔ لہٰذا بعض غیر مقلدین کا ''عشرین رکعة '' والے نسخے کو محرف کہنا درست نہیں۔

باقی رہا علی زئی کا ''عشرین لیلة '' کو راجح کہنا، اس کا جواب حاضر ہے۔ حضرت مولانا حافظ ظہور احمد الحسینی صاحب لکھتے ہیں:

''اگر غور سے دیکھا جائے تو ''عشرین رکعة '' والا نسخہ ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔ کیوں کہ حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ کی باقی روایات میں بھی یہی ''عشرین رکعة'' کے الفاظ آئے ہیں، مثلاً عبدالعزیز بن رفیع کا اَثر جو اَبھی گزرا ہے، اُس میں بھی یہی الفاظ ہیں: یصلی بالناس فی رمضان بالمدینة عشرین رکعة. کنز العمال کی روایت میں: فصلی بھم عشرین رکعة. (۴۰۹:۸) اسی طرح روایت نمبر ا ر جو یحییٰ بن سعید سے مروی ہے اس میں بھی یہ الفاظ ہیں: ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه امر رجلا (ابی بن کعب) ان یصلی بھم عشرین رکعة. حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں: فلما جمعھم عمر علی اُبی بن کعب کان یصلی بھم عشرین رکعة. (مجموع الفتاویٰ:۵۲۰/۱۱) جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کرام کو حضرت اُبی بن کعب کی امامت پر جمع کیا تو وہ ان کو بیس تراویح پڑھاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ''عشرین رکعة '' والا نسخہ ہی راجح ہے۔ اور غیر مقلدین کا ابوداوٗد کے اس نسخہ کو محرّف کہنا باطل ہے۔ [رکعات تراویح ایک تحقیقی جائزہ:۱۱۶]

۶۳۶

علی زئی نے اپنی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ کسی کے ساتھ ''حنفی'' کا لاحقہ اُس کے مقلد ہونے کی دلیل نہیں۔ اِس لیے یہاں وضاحت مطلوب ہے کہ علامہ عینی کے ساتھ ''حنفی'' لکھنے کا مقصد کیا ہے؟ علی زئی اُصولوں کی روشنی میں بتایا جائے کہ علامہ عینی رحمہ اللہ ''حنفی'' ہیں یا نہیں؟

۶۳۷ ”روایت نمبر ۳ کی سند بھی منقطع ہے۔“

اس کا جواب وہی ہے جو حاشیہ: ۶۲۶، ۶۲۷ میں مذکور ہے۔

یہاں بطور فائدہ عرض ہے کہ علماء، محدثین اور فقہاء نے بھی تسلیم کیا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے بیس تراویح ثابت ہیں۔ چند حوالے ملاحظہ ہوں۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ” فاما قیام شهر رمضان احب الی عشرون لانه روی عن عمر . [کتاب الام: ۱/۱۲۵] ترجمہ: ماہِ رمضان کے قیام (تراویح) میں مجھے بیس رکعتیں پڑھنا پسند ہے، اِس لیے کہ یہ عمرؓ سے مروی ہیں۔

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ” واکثر اهل العلم علی ماروی عن علی و عمر وغیرهما من اصحاب النبی عشرین رکعة. [جامع الترمذی: ۱/۹۹] ترجمہ: اور اکثر اہلِ علم بیس رکعتوں کے قائل ہیں جو علیؓ، عمرؓ وغیرہ دیگر صحابہ سے مروی ہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ” ان عمر رضی الله عنه لما جمع الناس علی ابی بن کعب رضی الله عنه کان یصلی لهم عشرین رکعة. [المغنی: ۱/۷۹۹] ترجمہ: بلاشبہ عمر رضی اللہ عنہ نے جب لوگوں کو اُبی بن کعب (کی اقتداء) پر جمع کیا تو وہ انہیں بیس رکعتیں پڑھاتے تھے۔

امام تقی الدین ابوبکر **الجصنی** رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ” فجمعهم علی اُبی بن کعب رضی الله عنه وواظب لهم عشرین رکعة واجمع الصحابة معه علی ذالك. [کتاب الاخیار: ۱/۱۷۲] ترجمہ: عمرؓ نے اُنہیں (صحابہ کرام کو) اُبی بن کعبؓ پر جمع کیا اور اُن کے لئے ہمیشہ کے لیے بیس رکعتیں مقرر کیں اور اُن کے ساتھ سب صحابہ نے اتفاق کیا۔

امام ولی الدین عراقی لکھتے ہیں: ” لکن عمر لما جمع الناس علی صلوٰ التراویح فی شهر رمضان مقتدین بابی بن کعب صلی بهم عشرین رکعة غیر الوتر وهو ثلاث “ [**طرح التثریب فی شرح التقریب**: ۳/۸۸] ترجمہ: لیکن عمرؓ نے جب لوگوں کو ماہِ رمضان میں اُبیؓ بن کعب کی اقتداء میں جمع کیا تو وہ لوگوں کو بیس رکعات تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے۔

محدثین وفقہاء کی طرح محمد بن عبدالوہاب نجدی بھی اِسے تسلیم کرتے ہیں، چنانچہ انہوں نے لکھا:

” ان عمر جمع الناس علی ابی بن کعب یصلی بهم عشرین رکعة.“ [مجموع مؤلفات الشیخ محمد بن عبدالوہاب: ۴/۱۱۷] بلاشبہ عمرؓ نے لوگوں کو اُبی بن کعبؓ پر جمع کیا وہ انہیں بیس رکعتیں پڑھاتے۔

تنبیہ: اہلِ نجد کو غیر مقلدین اپنا ہم مسلک کہا کرتے ہیں۔ ہماری اسی کتاب میں پہلے گزر چکا ہے کہ علی زئی صاحب نے شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مقلد ہونے کا انکار کیا ہے۔ مزید یہ کہ کئی

غیر مقلدین نے شیخ محمد بن عبدالوہاب کو ''شیخ الاسلام'' کا لقب دیا ہے۔

۶۳۸ ''روایت نمبر ۴ کی سند امام عبدالرزاق (ثقہ مدلس) کی وجہ سے ضعیف ہے۔''

جواب کے لیے حاشیہ: ۶۲۶، ۶۲۷ دیکھئے۔

علی زئی یہاں تدلیس کو وجہِ ضعف قرار دے رہے ہیں۔ جب کہ شبیر احمد جمالی غیر مقلد (مدرس نواب شاہ سندھ) نے تدلیس کو خفیف جرح کہا چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''سفیان ثوری کی تدلیس جو کہ ضعف خفیف ہے، نہ کہ شدید۔'' [اشاعۃ الحدیث، اشاعتِ خاص بیاد زبیر علی زئی: ۲۱۱]

مزید عرض ہے کہ خود غیر مقلدین کو بھی بیس رکعات تراویح تسلیم ہے۔

نواب صدیق حسن خان غیر مقلد لکھتے ہیں: '' پس آن زیادت عامل بسنت هم باشد '' [ہدایۃ السائل: ۱۲۸] یعنی سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کی بڑھائی تعداد بیس رکعات پر عمل کرنے والا بھی سنت پر عامل ہے۔

میر نور الحسن غیر مقلد نے لکھا: '' پس منع از بست و زیادہ چیزے نیست ۔'' [عرف الجادی: ۸۴] ترجمہ: پس بیس یا زیادہ رکعات سے منع کرنا کوئی چیز نہیں۔

غلام رسول غیر مقلد نے بیس رکعات تراویح کے اثبات پر مستقل رسالہ ''رسالہ تراویح'' لکھا۔ اُس میں انہوں نے محمد حسین بٹالوی غیر مقلد کی تردید کرتے ہوئے لکھا:

'' یہ مفتی سینہ زوری کے ساتھ سنت کی پیروی کرنے والوں کے عمل کو بدعت کہتا ہے اور حضرت عمرؓ کے زمانہ سے لے کر اِس وقت حضرت حضرات صحابہ کرامؓ تابعینؒ، ائمہ مجتہدینؒ اور مشرق و مغرب کے علماء کی بہت بڑی جماعت کو مخالف سنت قرار دیتا ہے (العیاذ باللہ) بلکہ اِس مفتی نے بات یہاں تک پہنچا دی ہے کہ ان حضرات کے فعل کو تعریض کرکے مشرکین کا فعل کہتا ہے اور ان کو اپنے آباء و اجداد کی تقلید کا عامل قرار دیتا ہے۔'' [رسالہ تراویح: ۵۶، ۵۷]

محمد اسحاق بھٹی غیر مقلد نے تراویح کی تعداد پر بحث کرتے ہوئے لکھا:

'' اگر علمائے کرام جھگڑنے کے موڈ میں نہ ہوں تو اس مسئلے پر ایک اور طریقہ سے بھی غور کیا جا سکتا ہے۔ تراویح بیس ہوں یا آٹھ، دونوں صورتوں میں حفاظِ قرآن بالعموم ایک پارہ پڑھتے ہیں اور مقتدی سنتے ہیں۔ آٹھ پڑھیں گے تو قیام زیادہ ہوگا اور اس میں اللہ کے اس حکم پر عمل کیا جائے گا وقوموا للہ قانتین. (البقرۃ: ۲۳۸) ''اور اللہ کے سامنے عاجزی کے ساتھ کھڑے رہو۔'' بیس تراویح پڑھیں گے تو رکوع و سجود زیادہ ہوں گے، یہ بھی اللہ کے حکم پر عمل ہوگا۔ ﴿یایھا الذین آمنوا ارکعوا و سجدوا و اعبدوا ربکم﴾ (الحج: ۷۷) ''ایمان والو! رکوع کرو اور سجدہ کرو اور اپنے رب کی عبادت کرو۔''

[حرف چند تذکرہ مولانا غلام رسول قلعوی: ۵۸]

بھٹی صاحب نے بیس تراویح پڑھنے والوں کو قرآن کی آیت: ''ارکعوا وسجدوا الخ'' پہ عمل کرنے والا کہا ہے۔

بھٹی صاحب نے آگے لکھا: ''کوئی بیس پڑھے، چالیس پڑھے، ساری رات پڑھتا رہے، آٹھ پڑھے ہمارے نزدیک سب ٹھیک ہے۔'' [حوالہ مذکورہ:۵۹]

امین اللہ پشاوری کہتے ہیں:

''بیس رکعات بھی پڑھ سکتے ہو، اٹھارہ رکعات بھی پڑھ سکتے ہو، سولہ رکعات بھی پڑھ سکتے ہو، آٹھ رکعات بھی پڑھ سکتے ہو، چھ رکعات بھی پڑھ سکتے ہو، دو رکعات بھی پڑھ سکتے ہو(!!!) نبی علیہ السلام نے امت کو اجازت دی ہے کہ جو شخص کم کرتا ہے یا زیادہ کرتا ہے۔''

[سوال وجواب، کیسٹ نمبر:۵۵/سولہواں منٹ]

پشاوری صاحب نے مزید کہا: ''اگر کسی نے آٹھ رکعات پڑھی یا بیس رکعات، کسی نے مسجد میں اَدا کی یا گھر میں، سب کے لیے دلائل موجود ہیں۔[الحق الصریح:۵/۴۰۷]

پشاوری صاحب نے لکھا:

''نبی علیہ السلام نے یہ نہیں فرمایا کہ صلوۃ اللیل ثمان رکعات فتدبر.''[الحق الصریح:۱/۴۱۲]

امین اللہ پشاوری صاحب اور ان کے شاگرد ابو عمار سمیع اللہ کے حوالے ''ترجمان احناف، پشاور'' [شمارہ:۱، جمادی الاولیٰ و جمادی الثانی ۱۴۴۰ھ] سے منقول ہیں۔

۶۳۹ قولہ ''نیز مؤطا امام مالک کے خلاف ہونے کی وجہ سے منکر بھی ہے۔''

علی زئی کی یہ رائے بھی درست نہیں۔ اول: مؤطا کی جس روایت کو علی زئی صاحب دلیل بنا رہے ہیں وہ امام ابن عبد البر رحمہ اللہ کی تصریح کے مطابق راوی کا وہم ہے۔[الاستذکار:۲/۶۹]

ان کی عبارات حاشیہ:۶۱۵/ میں ہم نے نقل کر دی ہیں۔

امام ابن عبد البر رحمہ اللہ مالکی مشہور ہیں مگر علی زئی صاحب نے انہیں اپنے اسلاف میں شمار کیا ہے اور انہیں تارکِ تقلید بھی کہا۔ چنانچہ انہوں نے امام ابن عبد البر رحمہ اللہ سمیت متعدد علماء و محدثین کے اسماء گرامی درج کرنے کے بعد لکھا:

''یہ سب سلف صالحین تھے اور مروجہ تقلید کے قائل و فاعل نہیں تھے بلکہ کتاب وسنت اور اجماع کے قائل و فاعل تھے۔'' [توضیح الاحکام:۳/۷۹]

دوم: اور اگر اسے وہم نہ بھی مانیں تو بھی دونوں میں تطبیق ہو سکتی ہے اور بیس والی کو آٹھ والی پر ترجیح بھی۔ غیر مقلدین کے ہاں ''صاحبِ کرامت'' سمجھے جانے والے بزرگ غلام رسول غیر مقلد نے تطبیق دیتے

ہوئے لکھا:

''ایک یہ حدیث ہے جو مؤطا (امام مالک) میں آتی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت اُبی رضی اللہ عنہ اور تمیم داری رضی اللہ عنہ کو گیارہ رکعات پڑھانے کا حکم دیا اور دوسری حدیث بیہقی کی ہے جس میں تیئس رکعت کا ذِکر ہے، پھر عمل کس پر ہوگا؟ اس کا جواب خود صاحب محلی نے امام بیہقی کے قلم سے نقل کیا ہے وہ یہ کہ پہلی روایت اس کے منافی نہیں ہے کیوں کہ اولاً گیارہ پر عمل ہوا، پھر معاملہ بیس پر مقرر ہو گیا۔''

[رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع: ۴۰]

غلام رسول صاحب نے ترجیح کا راستہ اختیار کرتے ہوئے بیس والی روایت کو ترجیح دی۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں: ''یہ حدیث صحت اور قوت میں مؤطا کی (گیارہ رکعات والی) حدیث سے زیادہ بڑھی ہوئی ہے کیوں کہ اس میں زیادت ہے۔'' [رسالہ تراویح مع ترجمہ ینابیع: ۴۲]

غلام رسول صاحب کہنا یہ چاہتے ہیں کہ بیس کا تذکرہ اضافی بات ہے جو زیادتِ ثقہ کے مقبول ہونے کی وجہ سے قبولیت کا حق رکھتی ہے۔

تنبیہ:

علی زئی صاحب نے بیس تراویح کے متعلق سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا آثار حضرت مولانا محمد امین اوکاڑوی رحمہ اللہ کے رسالہ ''تحقیق تراویح'' کا حوالہ دے کر نقل کیے ہیں۔ پھر اُن کی سندوں کو ضعیف کہا۔ جب کہ حضرت اوکاڑوی رحمہ اللہ نے وہاں اس کا جواب بھی لکھا ہے کہ یہ روایات مرسل معتضد ہیں، اِس لیے قابل قبول ہیں۔ حضرتؒ کے الفاظ یہ ہیں:

''چوں کہ بیس رکعت کے بارے میں جو مراسیل ہیں وہ معتضد ہیں، اِس لیے خود امام شافعیؒ نے بھی بیس رکعت تراویح کا انکار نہیں فرمایا، بلکہ یہ فرمایا: أحب الی عشرون. (قیام اللیل) اور امام شافعیؒ کے مقلدین میں سے کسی نے دَورِ فاروقی کی بیس رکعت تراویح کا انکار نہ فرمایا، بلکہ بیس رکعت تراویح کو بالاتفاق سنت مانا۔ چنانچہ امام نووی کتاب الاذکار ص: ۸۱ میں فرماتے ہیں کہ: بیس رکعت تراویح کے سنت ہونے پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ مرسل معتضد کا حجت ہونا غیر مقلدین میں سے حکیم محمد صادق سیالکوٹی نے صلوۃ الرسول اور عبدالرحمٰن مبارک پوری نے تحقیق الکلام میں تسلیم کر لیا ہے۔ ابن القیم کی زاد المعاد ص: ۱۰۳، ج ۱ پر بھی ہے۔'' [تجلیاتِ صفدر: ۳۲۰/۳، طبع ملتان]

علی زئی صاحب نے حضرت اوکاڑی رحمہ اللہ کے اِس جواب پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ اگر وہ اس جواب پر مطمئن نہیں تھے تو دلیل سے اس کا رَد لکھتے۔ اَب بھی جو غیر مقلد جواب دینا چاہیں وہ ثابت کریں کہ مرسل معتضد حجت نہیں یا پھر اِس کا ثبوت دیں کہ اِن مراسیل کو اعتضاد حاصل نہیں۔ (جاری ہے۔)

أقوال الأخيار على كتاب الآثار

(تالیف: استاذ العلماء مولانا محمد رشید مدظلہ، استاذ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ بہاول پور)

الحمد لله رب العالمين، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وأصحابه أجمعين، وعلى كل من تبعهم باحسان الى يوم الدين.

مولانا محمد رشید صاحب زید مجدہ کے ساتھ میری وابستگی عشروں پر محیط ہے۔ وہ بچپن میں حیات پور سے ''دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور'' حصول علم کے لیے آئے، پھر اس کے بعد ''دارالعلوم مدنیہ'' ہی کے ہو کر رہ گئے۔ انہوں نے اپنی زندگی کے تینوں موسم: بچپن، جوانی اور بڑھاپا: علوم دین کے حصول اور فروغ کے لیے ''دارالعلوم مدنیہ'' کے گوشہ عافیت میں گزار دیئے۔

زمانۂ طالبِ علمی ہی سے محنت، لگن اور مطالعہ اُن کی پہچان رہے ہیں، تدریس میں بھی حلِ متن اور توضیح عبارت اُن کے عمیق مطالعہ کی شہادت دیتے ہیں۔ وہ درس وتدریس کا وسیع تجربہ رکھتے ہیں۔

حال ہی میں اُنہوں نے ''کتاب الآثار'' کی عربی شرح **"أقوال الأخيار على كتاب الآثار"** کے نام سے لکھی ہے، جو علم حدیث میں ان کا گرانقدر کارنامہ ہے، حجم کے اعتبار سے مختصر مگر افادیت کے اعتبار سے عظیم الشان کتاب ہے۔ تشنگان علم کتاب کے مطالعہ سے مصنف کے علمی ذوق، دِقتِ نظر، وسعتِ مطالعہ اور اعتماد علی الاسلاف سے بخوبی واقف ہو سکیں گے۔

کتاب کے مندرجات کی، حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت فیوضھم نے اپنی تقریظ میں بہترین وضاحت فرمائی ہے۔ ''کتاب الآثار'' کے مدرسین کو اِس کتاب (**أقوال الأخيار**) سے بھرپور استفادہ کرنا چاہیے۔

دعا گو ہوں کہ اللہ رب العزت کتاب کو قبول عام عطا فرمائے، جویان علم حدیث کے لیے بہترین سرمایہ بنائے، مصنف کی حسنات میں لامحدود اضافہ کا سبب ہو، ''دارالعلوم مدنیہ'' کی طرف سے اُمت کے لیے صدقہ جاریہ بنے اور مدرسین علم حدیث کے لیے بہترین معاون بنے۔ وما توفیقی الا باللہ

(مولانا مفتی) عطاء الرحمٰن (مدظلہ)

(مدیر و شیخ الحدیث: دارالعلوم مدنیہ، بہاول پور)

۲۲ر رمضان ۱۴۴۵ھ

الحمد لحضرة الجلالة والصلاة والسلام علی خاتم الرسالة، أما بعد!

مصنف و محقق، مدرس و مؤلف، شارحِ ''کتاب الآثار'' مولانا محمد رشید مد ظلہم سے مجھے ملاقات یاد نہیں، مگر اساتذہ و طلبہ سے اُن کا تذکرہ، علمی جلالتِ قدر، مدرسانہ عظمتوں کا ذکر خیر سن کر اُن سے ملاقات، مشاہدات اور استفادہ کی آرزو: ایک لازمی ہدف بن گیا تھا۔

اللہ کا شکر ہے کہ برادرِ مکرم، معروف سکالر، جواں سال ادیب مولانا حمزہ احسانی [مدیر: مجلّہ صفدر لاہور] کے وسیلہ سے مجھے موصوف سے کتابی ملاقات اور مطالعاتی استفادہ کی سعادت بھی حاصل ہو رہی ہے۔

اُن کی عظیم اور تازہ ترین محدثانہ علمی کاوش **"أقوال الأخيار علىٰ كتاب الآثار"** کے مسودات مولانا حمزہ احسانی میرے پاس لائے، تأثرات لکھنے کی تاکید فرمائی اور گویا مصنف سے کتابی ملاقات کا وسیلہ بن گئے۔

حضرت مولانا محمد رشید صاحب دامت برکاتہم ایک جید عالم دین بھی ہیں، مدرس بھی، اَدیب بھی، شارح حدیث بھی، شفیق اَتالیق بھی، علمی، تدریسی اور تصنیفی الغرض ہر پہلو سے اور ہر حیثیت سے وہ مکمل اور ممتاز بھی ہیں۔ شرح حدیث میں منفرد اُسلوب رکھتے ہیں، شگفتہ عربی لکھنے پر خوب قادر ہیں، آج صبح کی نماز کے بعد احسانی صاحب نے کتاب کے مسودات عنایت فرمائے اور احقر نے چند ورق اُلٹے تو مصنف کی عربی تحریر نے دل موہ لیا، دو گھنٹے ہو گئے، مطالعہ کر رہا ہوں کتاب مجھے چھوڑتی ہی نہیں۔ مولانا محمد رشید عربی اَدب میں بھی کمال دسترس رکھتے ہیں، درسی شرح کو عربی سانچہ میں ڈھالنا کارے دارد، عربی اَدب برقرار رہے، ساری کتاب میں منہج اور بلند اَدبی معیار یکساں رہے، یہ شارح کی علمی عظمتوں اور فضل و تفوق کی قطعی دلیل ہے۔ کتاب نے بھرپور مطالعے کی افادیت سمیت: تھکنے، اُکتانے اور دنیا و مافیہا سے بے نیاز کر دیا ہے۔

فنی، فقہی اور علمی مسائل پر جچے تلے انداز میں لکھتے ہیں، تجزیہ و تحلیل میں اُن کا ایک خاص رنگ ہے۔ استنباط و استخراجِ مسائل میں ایک ایک پہلو روشن اور واضح کرتے، فقہی اور اختلافی مسائل پر بھی اتنے سہل اور دلچسپ انداز سے لکھتے ہیں کہ ادنیٰ عربی شدبُد رکھنے والا طالب علم بھی سمجھ لینے، بے لاگ نقد و جرح کرنے، تنقید کر سکنے، کھرے اور کھوٹے میں امتیاز کرنے، صحیح کو غلط سے اور غلط کو صحیح سے الگ کر کے پیش کرنے کے نہ صرف قابل ہو جاتا ہے بلکہ اُس کے لیے خوب آسان ہو جاتا ہے۔

جگہ جگہ سے شرح پڑھتا گیا، زبان و اَدب کی رنگینیوں پر بھی مصنف کو بڑا عبور ہے۔ اختلافی مسائل میں علماء کے اختلاف اور اس کے صحیح مذاہب کی تفصیل مستند حوالوں سے بیان فرماتے ہیں۔ پھر ائمہ

کے دلائل بالخصوص امام اعظم ابوحنیفہؒ کے دلائل کا ذکر کرتے ہیں مگر اِس شان سے کہ (دیگر) ائمہ کی عظمت پر کوئی حرف نہ آئے، الفاظِ حدیث کی لغوی تشریح بھی کرتے ہیں اور نحوی وصرفی مسائل کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

شرح کتاب الآثار مولانا محمد رشید صاحب کا شاندار اور دیرپا کارنامہ ہے۔ حدیث کی توضیح، تشریح اور فوائد ہر لحاظ سے سہل، عام فہم اور درسی حوالے سے بے حد نافع ہیں۔ اَربابِ علم وفضل اعتراف کریں گے کہ شارح نے کس جامعیت، اِصابت رائے اور دقتِ نگاہ کے ساتھ حدیث کی خدمت کا یہ محدثانہ شاہکار مرتب کیا ہے۔

کتاب چھپ کر منظر عام پر آ جائے تو اہل علم شارح کی ایک عظیم علمی اور تاریخی کاوش کو سر آنکھوں پر رکھیں گے۔ "**أقوال الأخيار**" مصنف کا اہم میدان اور عظیم علمی کارنامہ ہے۔ جس کے باعث وہ وفات کے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ اور طالبانِ علم وجویانِ حق اُن کی تالیف سے مستفید ہوتے رہیں گے اور یہ عبادت موصوف کی آخرت کے لیے باعثِ اجر ہوگی، اِن شاء اللہ۔

عبدالقیوم حقانی، خادم الحدیث والطلبہ: جامعہ ابوہریرہ، خالق آباد، نوشہرہ

۲۸ رشعبان المعظم ۱۴۴۵ھ......۱۰ رمارچ ۲۰۲۴ء......اتوار

وفیات

-جانشین امام اہل سنت مولانا عبدالعلیم فاروقی لکھنوی رحمہ اللہ-محترم جناب اسرائیل صاحب رحمہ اللہ [رائے ونڈ]-محترم جناب سکندر بن سلطان صاحب کی تایازاد بہن رحمہا اللہ-مولانا سید جاوید حسین شاہ رحمہ اللہ-امام اہل سنت مولانا سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ کے داماد حافظ شفیق مرحوم کے والد محترم رحمہ اللہ-نامور خطیب مولانا عبدالغفور حقانی شجاع آبادی رحمہ اللہ-مولانا نور محمد رحمہ اللہ شہداد پور [خلیفہ مجاز: حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ]-مولانا عبدالرحیم چاریاری کی خوش دامن صاحبہ رحمہا اللہ-شیخ الحدیث مولانا عبدالقدوس قارن مدظلہ کے ہم زلف رحمہ اللہ-حافظ عبدالوحید حنفی [ناظم دفتر مدنی مسجد چکوال] کے بھتیجے حافظ عبیدالرحمٰن رحمہ اللہ-ابن امام اہل سنتؒ مولانا عزیزالرحمٰن شاہد کی خوش دامن صاحبہ رحمہا اللہ-شیخ الحدیث مولانا قاری ادریس ہوشیارپوریؒ کے برادر مولانا قاسم عزیز رحمہ اللہ-مولانا سید انیس شاہ [امیر: شبان ختم نبوت] کے والد محترم جناب سید عبدالرؤف رحمہ اللہ-خیر العلماء مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کی صاحبزادی رحمہا اللہ-جامعہ محمودیہ مدنیہ کراچی کے مدیر مولانا عبدالرحمٰن مدنی کی والدہ محترمہ رحمہا اللہ-جامعہ خیر المدارس ملتان شعبہ تجوید وقرأت کے صدر مدرس مولانا قاری اسحاق رحمہ اللہ-مولانا نور محمد تونسوی رحمہ اللہ کا نواسہ، مولانا عبدالرؤف تونسوی کا بیٹا حافظ حنظلہ رحمہ اللہ-مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے پوتے مولانا شمس الحق جالندھری رحمہ اللہ-مولانا عبدالجبار سلفی کے بہنوئی رحمہ اللہ

قارئین سے تمام مرحومین کی مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعا کی درخواست ہے۔

فہرست جلد ۱۳/ جنوری تا دسمبر ۲۰۲۳ء (شمارہ: ۱۴۳/ تا ۱۵۴)

فہرست شمارہ: ۱۴۳-۱۴۵ (جنوری تا مارچ ۲۰۲۳ء)

فہرست شمارہ: ۱۴۶-۱۴۷ (اپریل، مئی ۲۰۲۳ء)

☆......☆......☆......☆

ختم نبوت: زندہ باد	یا اللہ مدد	خلافت راشدہ: حق چار یارؓ

عظمتِ اہل بیت کانفرنس

مورخہ: ۲۵/ اکتوبر، بروز جمعۃ المبارک، بعد نمازِ مغرب

(مقام کا اعلان بعد میں کیا جائے گا۔ اِن شاء اللہ)

بیاد

قائد اہل سنت مولانا قاضی مظہر حسین رحمہ اللہ	امام اہل سنت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ
فقیہ العصر مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہ اللہ	مفسر قرآن مولانا صوفی عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ
پیر طریقت حضرت سید نفیس الحسینی شاہ رحمہ اللہ	امین ملت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی رحمہ اللہ

مندوبین

حضرت مولانا قاضی ظہور الحسین اظہر مدظلہ، چکوال	حضرت مولانا فضل الرحیم اشرفی مدظلہ، لاہور
حضرت مولانا منیر احمد منور مدظلہ، کہروڑ پکا	حضرت مولانا حبیب الرحمٰن سومرو مدظلہ، سندھ
حضرت مولانا فضل سبحان مدظلہ، کراچی	حضرت مولانا نعیم الدین مدظلہ، لاہور
حضرت مولانا مفتی محمد حسن مدظلہ، لاہور	حضرت مولانا محمود عالم اوکاڑوی مدظلہ
حضرت مولانا مفتی شاہد عبید مدظلہ، لاہور	حضرت مولانا مفتی خرم یوسف مدظلہ، لاہور
حضرت مولانا مفتی عبدالرحمٰن، لاہور	حضرت مولانا محمد زبیر حسن، لاہور
ابن شاعر انقلاب جناب سید سلمان گیلانی	مولانا قاری احسان اللہ فاروقی نقشبندی

الداعی الی الخیر:

(مولانا) عبدالشکور حقانی، جامعہ حقانیہ، قینچی، لاہور۔ رابطہ: 0322-4410730

فہرست دارالامین لاہور (رابطہ: 0312-4612774)

شمار	نام کتاب	مصنف/مرتب	صفحات	نٹ قیمت
۱	سنی موقف (عقائدوافکار میں راہ نما اُصول)	مولانا قاضی مظہر حسینؒ	48	70
۲	مجلّہ صفدر علامہ ڈاکٹر خالد محمودؒ نمبر	دوجلد	1672	2000
۳	نماز تراویح اور مذاہب اہل حدیث	مولانا عبدالحق خان بشیر	184	200
۴	عقیدہ حیات النبی اور مولانا سخی داد خوستی (کارڈ)	مولانا عبدالحق خان بشیر	72	60
۵	سپریم کورٹ کا غیر منصفانہ فیصلہ (کارڈ)	مولانا عبدالحق خان بشیر	160	150
۶	ذکر واعتکاف میں مروجہ بدعات (کارڈ)	شیخ الحدیث مولانا محمد صدیقؒ	72	70
۷	غم زدوں کو بشارت (کارڈ)	مولانا مفتی محمد شریف عابر	48	50
۸	آثار مولانا قاضی مظہر حسینؒ (مکاتیب)	مولانا عبدالجبار سلفی	560	750
۹	افکارِ مولانا قاضی مظہر حسینؒ (مقالات)	مولانا عبدالجبار سلفی	424	700
۱۰	ضربتِ حق چار یار	مولانا عبدالجبار سلفی	316	500
۱۱	کشف الشبہات	مولانا عبدالجبار سلفی	272	450
۱۲	الدرالثمین فی دفاع مولانا محمد امینؒ (کارڈ)	مولانا منیر احمد منور	168	150
۱۳	مجلّہ صفدر: حقیقتِ میلاد نمبر (آرٹ پیپر)	اکابر اہل سنت دیوبندؒ	104	100
۱۴	خلفاء راشدینؓ واہل بیتؓ کے فضائل (کارڈ)	حضرت شاہ عبدالعزیزؒ	32	65
۱۵	سب کہو سبحان اللہ! (منظوم)	انجم نیازی	160	150
۱۶	حیات النبی کی خوشبوئیں (منظوم)	انجم نیازی	192	180
۱۷	کرنیں ایک ہی مشعل کی (منظوم)	انجم نیازی	326	270
۱۸	سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا (منظوم)	انجم نیازی	216	180
۱۹	سیدنا عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (منظوم)	انجم نیازی	224	210
۲۰	بناتِ رسول (منظوم)	انجم نیازی	200	190
۲۱	صحابیات طیبات (منظوم)	انجم نیازی	264	250